42C

سردار بدھ سنگھ
اور
تحریک حریت کشمیر

سردار بدھ سنگھ

اور

تحریکِ حریت کشمیر

ایڈیٹر

راجندر سنگھ

معاونین

بشیر احمد مسعودی   کفایت حسین رضوی

آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم

سرینگر

(جملہ حقوق بحق ایڈیٹر محفوظ ہیں) ©

ناشر : آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم سرینگر

مطبع : سفینہ پریس سرینگر

سرورق : مسعود حسین

کتابت : جی حسن

قیمت : ۲۵ روپے

- Rs. 35/-

ملنے کا پتہ :

راجندر سنگھ

جواہر نگر، سری نگر کشمیر

۱۹۰۰۸

ترتیب

پیغام	شیخ محمد عبداللہ	۵
خراجِ عقیدت	پنڈت پریم ناتھ بزاز	۶
	مرزا محمد افضل بیگ	۷
	سید میر قاسم	۸
پیش لفظ	راجندر سنگھ	۹
آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم (مختصر تعارف)	جگموہن سنگھ ریشی	۱۴

(حصہ اوّل)

ایک تیاگی اور درویش بھگت	مولانا محمد سعید مسعودی	۲۵
ایک کسان بے جوان کا توجہ	لالہ ملک راج صراف	۳۵
سردار بدھ سنگھ اور جنگ آزادی	صوفی محمد اکبر	۴۱
پہلا باغی	پنڈت کشیپ بندھو	۴۴
سردار بدھ سنگھ — ایک تاثر	جی۔ ایم۔ ہمدانی نہرا	۴۹
تحریک آزادی کا نقیب	صدرالدین مجاہد	۵۲
ایک تاریخ ساز شخصیت	محمد یوسف مسعودی	۵۹
تحریک حریت کشمیر کا بانی	بلراج پوری	۶۴
مہاتما بدھ سنگھ	حکیم محی الدین	۷۳
ایک انسان دوست	عبدالکبیر خان جیل بابا	۷۸
کشمیری گاندھی	موہن سنگھ نرمان	۸۳
مخلص عوامی رہنما	نند لال واتل	۹۳
مجاہد آزادی	رشید تاثیر	۹۹
مجسمۂ ایثار	ملک عبدالغنی سوپوری	۱۱۱
تیاگ مورتی کے چند زرّیں اقوال	سردار چرن سنگھ ریشی	۱۲۳

(حصہ دوم)

ہمارا فرض		۱۲۹
ڈوگرہ صدر سبھا کا سالانہ اجلاس		۱۳۸
ڈوگرہ صدر سبھا کی سالانہ کانفرنس میں صدارتی خطبہ		۱۳۹
مہاراجہ ہری سنگھ کے نام چٹھی		۱۴۷
قومی زندگی کا نیا پروگرام		۱۶۶
مسلم کانفرنس کی حمایت		۱۸۹
ہریجنوں کی دردناک حالت		۱۹۰
ذمہ دار نظام حکومت کے فواید		۱۹۶
دوسری جنگ عظیم کے دوران ریاستی عوام سے اپیل		۲۰۳
چرچل کے نام خط		۲۰۶
جاگیر چنینی کی رعایا کی شکایات		۲۰۸
چنینی جاگیر کا مورچہ		۲۱۱
ادھے پور میں مہاتما کی تقریر		۲۱۷
تصانیف سردار بدھ سنگھ	(ادارہ)	۲۲۲

پیغام

سردار بُدھ سنگھ ہمارے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے جنہوں نے تحریکِ آزادی ہمارے ساتھ مل کر لڑی اور لوگوں کو سیاسی سطح پر بیدار کرنے کے لئے ہمارے شانہ بشانہ کام کیا۔ وقت کے سماجی اور اقتصادی حالات نے اُن کو متاثر کیا اور وہ لوگوں کی بھلائی کے کام میں جُٹ گئے۔

سردار بُدھ سنگھ کو یاد کرتے ہوئے ہمیں اُن کی انسان دوستی اور اُن کے اعلیٰ صفات کو دہرانا چاہئے۔ انصاف کے تئیں اُن کا رویہ اور اُن کی ایمانداری اور سچائی کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ لوگوں کی بھلائی کے لئے اُن کا جذبہ واضح تھا اور وہ اس پر ہمیشہ مستحکم رہے۔ اسی وجہ سے سردار صاحب ہماری تحریکِ آزادی کے روحِ رواں بن گئے اور انہوں نے ہمارے ساتھ کام کرکے اہم ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہوئے ریاست کو اس دلدل سے باہر لانے میں ہماری مدد کی جس میں یہ پھنسی ہوئی تھی۔ اُن کی بلند قامت شخصیت کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ

وزیرِ اعلیٰ جموں کشمیر

سری نگر۔ ۲۵ مئی ۱۹۸۰ء

خراجِ عقیدت

میری ملاقات بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں سردار بُدھ سنگھ سے ہوئی جب کشمیر کے سیاسی افق پر گرو کن مذہبی جوش اور فرقہ وارانہ مذہبی دشمنی کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ وہ ریاستی اسمبلی میں سکھوں کی نمائندگی کرنے والے ایک سرگرم رکن تھے۔ پھر بھی اُن کی تقریریں مجھے تعصب سے بھرپور محسوس ہوتی تھیں۔ مگر تقریروں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ حکومت اور لوگوں کی آپسی خلیج کو پاٹ کر ریاست میں ایک خود مختار حکومت کے حامی تھے۔ کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ کسی قسم کا فرقہ وارانہ تعصب یا جھکاؤ رکھتے ہیں۔

اُس زمانے میں ہمیں ملا "ہمدرد" جو ۱۹۳۵ء میں جاری ہوا کے صفحات میں اپنی تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی شکوک رفع کرنے میں لگا ہوا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ریاست کی سیاست میں سیکولرازم کا رنگ آجائے اور اس طرح ایک ذمہ دار حکومت کے وجود میں آنے کیلئے راستہ ہموار ہو جائے۔ ہمارے مقاصد کی یکسانیت نے سردار بُدھ سنگھ کو میرے اور قریب کر دیا۔ کئی برسوں کی سخت محنت کے بعد ہماری منظم کوششوں کا نتیجہ نیشنل کانفرنس کی صورت میں ہمارے سامنے آیا جو ۱۹۳۹ء میں وجود میں آئی اور ہم دونوں اس کی مجلسِ عاملہ کے ارکان کی حیثیت سے شامل ہوئے — میں نے سردار بُدھ سنگھ کو بیدار اور بے خوف پایا۔ اُن میں فیصلہ لینے کی ہمت اور اُس پر قائم رہنے کا حوصلہ تھا جو کچھ انہیں حق اور انصاف لگتا تھا۔ اُس پر کاربند رہتے تھے۔ اُن کے اہم مذہب کی اُن کے بارے میں اونچی رائے رکھتے تھے۔ وہ اس چیز کے لئے ایک بیدار ذہن ہوتے تھے جس کو وہ متبرک سمجھتے تھے لیکن افسوس اب ایسے لوگ "نایاب" ہوتے گئے ہیں۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز

مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ نے مرحوم سردار بدھ سنگھ تیاگی کی زندگی پر ایک یادگار رسالہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

میرے اُن سے کچھ وقت کیلئے قریبی تعلقات رہے ہیں۔ وہ ان ابتدائی مجاہدین آزادی میں سے ایک تھے جنہوں نے استحصال اور اجارہ داری کے خلاف انتھک جدوجہد کی۔ سردار بدھ سنگھ نے مہاراجہ کے ایسے احکام کی تعمیل سے انکار کردیا جن سے استحصال کی بو آتی تھی اور بغیر کسی خوف کے مہاراجہ سے کہہ دیا کہ وہ ایسے احکام کی تعمیل نہیں کرے گا۔ وہ غریبوں کو غربت سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ وہ بیگار جیسی برائیوں کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے بغیر کسی خوف کے حکمرانوں سے کہہ دیا کہ لوگ بغیر اُجرت کام کرنے کے احکامات پر عمل نہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔

وہ بہت ہی بہادر تھے اور حکمرانوں اور انتظامیہ کے ایسے فیصلوں کے سامنے کبھی جھکتے نہ تھے جو انصاف پر مبنی نہ ہوتے تھے یا جن کا مقصد استحصال ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک غریب انسان کی زندگی بسر کی وہ غاصب حکومت کو برداشت نہ کرسکے اور انہوں نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا ——— مجھے اُمید ہے کہ یہ یادگاری رسالہ ہر محب وطن کو سردار بدھ سنگھ کی تقلید کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

مرزا محمد افضل بیگ

مجھے یہ سن کر انتہائی خوشی ہوئی ہے کہ آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم سرینگر کشمیر نے مہاتما بدھ سنگھ تیاگی کی یاد میں ایک کتاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سردار بدھ سنگھ جی کو مہاتما اور تیاگی جیسے خطابات سے نوازا گیا تھا۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ مطلق العنانی کے دوران غریب کسانوں کی حالت زار سے متاثر ہوکر انہوں نے سرکاری عہدے سے اس لئے استعفیٰ دیدیا تھا کہ آپ اُن کی ہمدردی میں نہایت ہی بے باکی اور آزادی سے اپنی آواز بلند کرسکیں۔ آپ کی تمنا اُس وقت پوری ہوئی جب آپ لوگوں کی چلائی ہوئی مہم یا تحریک میں شامل ہوگئے تھے۔ آپ نے بذات خود مجھ سے اِن واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو اُن کے مستعفی ہونے کے محرک تھے جن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔

آپ نہ صرف نیشنل کانفرنس کے صدر تھے بلکہ منسٹر بھی تھے اور پارلیمنٹ ممبر بھی لیکن سادگی اور تیاگ کا ہمیشہ نمونہ ہے۔ آپ کے ہونٹوں پر صرف ایک جملہ ہوتا تھا: "ساریاں کلاں نے ہیٹھ ہلاں"۔

"ساری تدبیریں ہل کے نیچے مخفی ہیں"۔

میری دُعا ہے کہ اُن کے بتلائے ہوئے اصولوں کی آبیاری ہوتی ہے۔ جس سے سرگباشی کی روح کو ابدی سکون نصیب ہوگا۔

سید میر قاسم

پیشِ لفظ

آنجہانی سردار بُدھ سنگھ جی ہماری سیاسی قیادت کے اولین
رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے ۱۹۳۱ء کے عملی انقلاب سے بہت
پہلے غلامی کی زنجیروں اور شخصی راج کی من مانیوں کا مردانہ وار مقابلہ
کیا تھا۔ سردار صاحب سادھو کے بھیس میں باغی تھے۔ وہ ایک نرم دل
حلیم، پُرخلوص، متین، پاکیزہ، سیدھے سادے اور بااخلاق انسان تھے
لیکن اس نرم طبیعت اور بااخلاق پیکر کے اندر ایک زبردست انقلابی
کی تڑپ چھپی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے سامنے
اس ریاست کے عوام کی بے بسی اور مظلومیت کی تصویر پیش کرنے میں
وہ شاید سب سے آگے تھے۔ اور پھر آزادی کی نعمت کو عام کرنے اور
اپنے اظہار کو عملی شکل دینے کی خاطر وہ شاید پہلے اور آخری مردِ درویش
تھے، جنہوں نے وزیر وزارت کے عہدے کو تیاگ کر اپنے آپ کو ریاست
کے غریب عوام کی خدمت کے لئے وقف کیا۔ سن ۱۹۳۱ء کے انقلاب کے
بعد سردار صاحب کشمیر کی تحریکِ آزادی کو بڑی عقیدت اور احترام کی
نظروں سے دیکھتے رہے۔ اور آخرکار سن ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کا
دائرہ کار بڑھانے اور اسے ملک گیر تنظیموں کے ساتھ منسلک کرنے
کی خاطر جب اسے نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا، تو سردار صاحب
نہ صرف لبیک کہنے والوں میں سے تھے بلکہ وہ صورت حال کو تبدیل کرنے والی

کی صف کے اولین قائد تھے۔ اگر سردار صاحب کی سیاسی، سماجی اور عملی
زندگی کے ہر پہلو کا بغور مطالعہ کریں تو ان کے اور مہاتما گاندھی کے
درمیان بڑی مماثلت نظر آئے گی۔ ملک کی آزادی کے بعد سردار صاحب
حکومت اور عوام کے کاموں میں پورے انہماک سے جٹ گئے اور اپنی
آخری عمر تک کسی نہ کسی طرح عوامی مفاد کے کاموں سے وابستہ رہے۔
پچھلے کئی برسوں سے آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم اس کوشش
میں رہی کہ سردار صاحب کی زندگی، ان کے کارناموں اور ان کے سیاسی
نقطۂ نظر کے بارے میں ایک مبسوط کتاب شائع کی جائے۔ لیکن سردار
صاحب کے متعلق کئی کام کی باتیں اور کئی دلچسپ یادیں اور انکی اہم تاریخی
تحریریں ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی ہیں۔ ہم نے کوشش کرکے آزادی
کے قافلے کے ایسے رہنماؤں سے مضمون لکھوائے۔ جو سردار صاحب کے بہت
قریب رہ چکے ہیں، یا ان کے کام سے متاثر تھے۔ ان سے سردار صاحب کی زندگی اور انکے
کارناموں کے چند ایک گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن مربوط سوانح
حیات لکھنے میں ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس کتاب میں بعض پہلوؤں
پر شدید تشنگی محسوس ہوگی اور کئی مضامین میں حالات و واقعات کے
سلسلے میں یکسانیت اور بعض باتوں کا اعادہ ملے گا۔ اسکی سب سے
بڑی وجہ یہ ہے کہ مقالہ نگار حضرات میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے
جو ان کے دوش بدوش سیاسی سرگرمیوں میں شامل رہے۔ اس لئے سیاست
کا پہلو کافی واضح ہے اور اسی کا بار بار اعادہ بھی ہوا ہے۔ ورنہ سردار صاحب
کی زندگی ایک ایسے چمن کی سی ہے جس میں قطار اندر قطار رنگا رنگ پھول
کھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک سلجھے ہوئے سیاستدان، مانے ہوئے

روحانیت کے علمبردار، فقیرانہ اور درویشانہ عادات میں بے مثال دنیاوی مراتب میں مرتفع حال، شعلہ بیان مقرر، اور عالم باکمال تھے۔ انہوں نے اعلیٰ پایہ کی ملازمت بھی کی، جنگلوں میں سادھوؤں کی سی زندگی بھی کاٹی، محلوں میں بھی رہے اور جھونپڑیوں میں بھی دن گزارے۔ جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں اور سکھ کے دن بھی دیکھے۔ جلسوں میں اپنی شعلہ بیانی سے لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ اور قلم کا جادو بھی جگایا۔ سیاسی تنظیموں کی قیادت بھی سنبھالی۔ اور تنہائی کے دن بھی کاٹے۔ اندوہ زندگی کے دن بھی گزارے اور تیاگی بن کر بھی زندگی کے رنگ دیکھے۔ غرض زندگی کا ایسا کوئی بھی پہلو نہیں ہے جس کے اندر انہوں نے نہ صرف جھانکا ہو بلکہ اسے اپنا کر اس کے کھوٹے اور کھرے پن کی پہچان کر کے اپنے اور اپنے دیش واسیوں کے لئے ایک راہ متعین کی۔ اور ہر ایک کو اس پر چلنے کی ترغیب دی۔

سردار بدھ سنگھ جی کی زندگی اور کارنامے جس بات کے متقاضی ہیں وہ تو اگرچہ اس کتاب میں نہیں ملے گی۔ مگر اشارے ضرور ملیں گے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ کتاب جہاں جموں و کشمیر کی تحریک آزادی کے سلسلے میں ایک اضافہ ہوگی وہاں یہ تاریخ اور آزادی کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نئی تحریک اور تحریر کا باعث بنے گی۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں ان لوگوں کے مضامین شامل ہیں جو تحریک آزادی کے سلسلے میں سردار بدھ سنگھ سے متعارف تھے تو تھے۔ اور ان کے دوش بدوش سیاسی میدان میں بھی سرگرم عمل رہے۔ حصہ دوم

اُن کی اپنی تحریریں تقریریں اور صدارتی خطبوں پر مبنی ہے جن سے سردار صاحب کے زورِ قلم تحریک آزادی اور پسماندہ طبقوں کے تئیں ان کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

سردار بدھ سنگھ کی کچھ نادر اور انمول کتابیں ہیں ان کی زندگی اور ریاست کے سیاسی ارتقاء کے سمجھنے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر وہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اس کتاب میں ان کی کتابوں سے کچھ اقتباسات اور کچھ تقریریں زیر مطالعہ آ سکتی ہیں جن سے ریاست کی سماجی اور سیاسی حالت، سردار جی کا جذبہ آزادی اور پسماندہ طبقوں کی خوشحالی کی خاطر ان کی جدوجہد کے خدوخال ابھرتے ہیں۔ اگر ان کی وہ سب کتابیں دستیاب ہو جاتیں تو تحریک آزادی کے پورے دور کی تاریخ ترتیب دی جا سکتی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں کافی جدوجہد کی۔ مگر میں انہیں کہیں سے بھی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ تاہم مجھے جن کتابوں کے نام مل سکے ہیں۔ ان کی ایک فہرست اس کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔

اس کتاب کو بہت پہلے چھپ جانا چاہیے تھا۔ مگر بعض ناگزیر اور نامساعد حالات نے ہمیں ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

میں یہاں پر ان علم دوست بزرگوں، سیاست دانوں، صحافیوں اور جنگ آزادی کے مجاہدوں کا شکر گزار ہوں اور انکے بنا نہیں رہ سکتے جنہوں نے سردار جی کی زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق مضامین لکھے اور معلومات بہم پہنچائیں۔ مجھے دکھ ہے کہ ان لوگوں میں سے جناب محمد یوسف مسعودی اور جناب عبدالکبیر خان المعروف جیل بابا اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ میری دعا ہے خدا انہیں جوارِ رحمت میں جگہ بخشے۔

یہاں مجھ پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ میں ان اصحاب کا بھی شکریہ ادا کروں جنہوں نے مجھے گاہ بگاہ اپنے قابلِ قدر مشورے دیے اور کئی ایک پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے میں میری مدد فرمائی۔ ان میں پروفیسر رفیع احمد حسنین اور ڈاکٹر موہن کشن ٹینگ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ اپنے دوست محمد اسد اللہ وانی کا بھی احسان مند ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کو ترتیب و تدوین اور کتابت و طباعت کے اہم مراحل سے نکال کر موجودہ صورت میں آپ کے سامنے پیش کرنے میں میری بھرپور معاونت کی۔

میں اپنے معاونین کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے شانہ بشانہ کام کرنے میں کافی خلوص، مروّت اور ایثار کا ثبوت دیا۔

آخر میں میں آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم اور پنجابی سٹوڈنٹس سوسائٹی کشمیر یونیورسٹی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو چھپوانے میں میری مالی امداد کی۔

سرینگر کشمیر
۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء

راجندر سنگھ

جگ موہن سنگھ رینہ
(چیف آرگنائزر)

آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم

(مختصر تعارف)

۱۹۶۵ء کے پُر آشوب دور میں کچھ شر پسند اور سماج دشمن عناصر نے پُر امن شہریوں کی پُر سکون زندگیوں سے کھیلنے کی جسارت کی بلکہ اور بھی عمارتوں میں آگ کی وارداتیں رونما ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ایک منظم سازش کے تحت وادیٔ کشمیر میں بیک وقت کئی تعلیمی اداروں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ غیر سرکاری طور پر ایسے عناصر سے نپٹنے کے لئے سرینگر شہر کے چند حوصلہ مند نوجوان میدان میں کود پڑے اور اپنا کام تعلیمی اداروں کی رضاکارانہ رکھوالی اور نگہداشت سے شروع کیا۔ خوف و دہشت کے اس ماحول میں ان چند نوجوانوں نے جس بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس امر کا اعتراف آج بھی ہر اُس شہری کو ہے جو اس وقت مشکلات و مصائب کے بھنور میں پھنس چکا تھا اور جس نے ان نوجوانوں کی بدولت امداد اور تعاون کی بدولت پریشانیوں سے نجات پائی۔

نوجوانوں کی اس تنظیم کی سماجی خدمات سے متاثر ہو کر وادیٔ کشمیر کے مختلف اضلاع سے تعلق رکھنے والے نوجوان اس تحریک میں شامل ہوتے رہے اور بہت جلد تحریک سے وابستہ افراد نے محسوس کیا کہ ہمارے سماج میں کچھ بدعتیں اور برائیاں اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ چکی ہیں جو ہمارے سماج کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہی ہیں۔ اور جن کو ختم کرنے کی خاطر ایک منظم اور

حل کرانے کے لئے رائے عامہ منظم کرنا۔

۸۔ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی رہنمائی اور عملی امداد کرنا۔

آئین مرتب ہونے اور اغراض و مقاصد کی نشاندہی کے فوراً بعد فورم کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا۔ اور یہ تحریک نہ صرف ریاست جموں و کشمیر تک محدود رہی بلکہ ملک کے مختلف حصوں میں رہنے والے نوجوان فورم کی کارکردگی سے ایسے متاثر ہونے لگے کہ فورم کی تحریک میں وسعت پیدا ہوئی۔ اور اس کا دائرہ اثر وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ملک گیر سطح پر کام چلانے کے لئے فورم کا نام آل انڈیا یوتھ ایجوکیشنل فورم رکھا گیا۔ اور اس کے بعد شمالی اور جنوبی ہند میں فورم کی متعدد شاخیں قائم ہوئیں۔ چونکہ نوجوانوں کی اس سماجی بہبود کی تنظیم کی سرگرمیاں زیادہ تر کشمیر سے ہوتی تھیں۔ اس لئے مجلس عاملہ کی متفقہ رائے سے فورم کا مرکزی دفتر بدستور سرینگر میں رکھا گیا۔

گزشتہ پندرہ برسوں سے فورم سے وابستہ نوجوانوں نے جس جوش و خروش، یقین محکم اور عمل پیہم کے ساتھ عوام بالخصوص نوجوانوں کی مختلف طریقوں سے خدمت کی اس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم فورم کے بانیوں کو بھی خراج تحسین ادا کرتے ہیں جنہوں نے ریاست جموں و کشمیر کے نوجوانوں کو بعض نامساعد حالات اور نازک ترین وقت میں قومی تعمیر نو کی عظیم جدوجہد میں اپنا رول ادا کرنے کی تحریک عطا کی۔ جبکہ ریاستی نوجوانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ لیکن انہوں نے انتھک محنت اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک ہی لڑی میں پرونے کا اہم کام انجام دیا جس سے ہر محب وطن بنظر استحسان دیکھتا رہیگا۔ غرض یوتھ ایجوکیشنل فورم کے قیام کو اگر ریاست میں

ہمہ گیر تحریک چلانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے باقاعدگی سے نوجوانوں کا منظم ہونا وقت کا اہم ترین تقاضا تھا۔ آخر کار نوجوانوں کی اس سماجی تنظیم کا قیام کشمیر یوتھ ایجوکیشنل فورم کے نام سے عمل میں لایا گیا۔ رفتہ رفتہ ریاست جموں و کشمیر کے طول و عرض میں فورم کی سینکڑوں شاخیں قائم ہوئیں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ نوجوان سماجی برائیوں کے خاتمے اور ملک و قوم کی تعمیر نو کے پروگرام میں یوتھ ایجوکیشنل فورم کے تحت اپنا حصہ ادا کرنے لگے۔

۱۹۷۱ء کے اوائل میں فورم کی سرگرمیوں کو وسعت دینے کی خاطر طویل بحث و تمحیص کے بعد فورم کا آئین مرتب کرکے جنرل کونسل میں متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔ آئین میں اور باتوں کے علاوہ فورم کے اغراض و مقاصد کی واضح نشاندہی کی گئی۔ جس میں مندرجہ ذیل نکات شامل ہیں۔

۱۔ امن، جمہوریت، قومیت، سوشلزم اور سیکولرازم جیسے زریں اصولوں اور اعلیٰ مقاصد کی آبیاری کرنا۔

۲۔ نوجوانوں میں سماج کے تئیں فلاح و بہبود اور ملک کی تعمیر نو کا جذبہ پیدا کرنا۔

۳۔ اُن اقدامات کی ترغیب و تحریک دینا جو نوجوانوں میں بہترین کردار اور اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرسکیں۔

۴۔ نئی پود کی ذہنی و جسمانی نشو و نما کے لئے کام کرنا۔

۵۔ مختلف موضوعات پر بحث و مباحثے منعقد کرنا۔

۶۔ تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کا اہتمام کرنا۔

۷۔ ملک و قوم کے مسائل کو صحیح ڈھنگ سے سوچنے اور انہیں

نوجوانوں کی شیرازہ بندی کا سنگ میل قرار دیا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔

ہمیں اُمید ہے اگر فورم کو نوجوان ساتھیوں کا تعاون اور بزرگوں کی سرپرستی برابر حاصل رہی تو ہم اپنے ماضی سے زیادہ مستقبل میں اپنی خدمات پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے۔

فورم کی چیدہ چیدہ سرگرمیاں

اکتوبر ۱۹۸۱ء کاندربل میں ۳۵ نوجوانوں پر مشتمل ایک سہ روزہ تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا۔ جس میں ملک کے سیاسی اور سماجی حالات پر بحث مباحثے ہوئے۔ ریاست کے سرکردہ دانشوروں، ممبران اسمبلی، وکلاء اور صحافیوں نے مختلف موضوعات پر لیکچر دئے۔

نومبر ۱۹۸۱ء قومی یک جہتی کا دن منانے کے سلسلے میں فورم سے وابستہ ۵۰ نوجوانوں نے ایک سائیکل ریلی میں حصہ لیا۔ سائیکل سواروں کا یہ جلوس اپنے ساتھ بڑے بڑے بورڈ اٹھائے ہوئے تھا جن پر "قومی یک جہتی کو فروغ دو" کے نعرے لکھے ہوئے تھے۔ یہ جلوس سرینگر شہر کے تمام اہم بازاروں اور سڑکوں سے گزرنے کے بعد لال چوک میں اختتام پذیر ہوا۔

- ہند و پاک جنگ کے دوران زخمی ہوئے فوجی جوانوں میں فورم کی جانب سے پھل اور مٹھائیاں فوجی ہسپتال میں تقسیم کی گئیں۔ اس موقعہ پر ریاست کے وزیر تعلیم بھی موجود تھے۔

- فورم کے سپیکر راجندر سنگھ کی قیادت میں پانچ ممبران پر مشتمل ٹیم نے سرینگر میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شمولیت کی۔ اس کانفرنس میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے نوجوانوں سے تبادلۂ خیال کا موقعہ ملا۔ کانفرنس کا اہتمام مغربی جرمنی کی Friedrich Naumann Stiftung نے ہندوستان میں Leslie Sawhny Programme تنظیموں نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔

جون ۱۹۸۲ء۔ مروجہ تعلیمی نظام کی خامیوں سے متعلق فورم کی جانب سے ایک سیمینار کا انعقاد ہوا۔ سیمینار میں ریاست کے سرکردہ ماہرین تعلیم محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسران اور طلباء کے نمائندوں نے حصہ لیا۔ سیمینار میں اُٹھائے گئے نکات کو میمورنڈم کی صورت میں ریاستی حکومت کو پیش کیا گیا۔ سیمینار کا افتتاح ریاست کے وزیر تعلیم جناب الطاف لون نے کیا۔

اگست ۱۹۸۲ء۔ گلمرگ میں سالانہ تربیتی کیمپ منعقد ہوا جس میں ۳۰ نوجوانوں نے حصہ لیا۔ یہ کیمپ دس روز تک جاری رہا۔ اس میں ثقافتی سرگرمیوں کے علاوہ "ووٹ اور جمہوری نظام" کے موضوع پر مذاکرہ کے ایک سلسلے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔

ستمبر ۱۹۸۲ء۔ فورم کی جانب سے قائم کئے گئے Book Bank کی امداد کے لئے بسکو میموریل ہال میں نمائشی فٹ بال میچ کا انتظام کیا گیا۔

فروری ۱۹۸۳ء۔ جموں میں فورم کے اہتمام سے ۲۲ میل لمبی سکوٹر دوڑ منعقد

ہوا جسے ہزاروں لوگوں نے بڑے شوق سے دیکھا۔ مقابلے میں پہلی تین پوزیشن حاصل کرنے والوں میں انعامات تقسیم کئے گئے۔

جون ۱۹۷۳ء۔ جموں میں منعقدہ سکوٹر دوڑ کی کامیابی اور مقبولیت کے پیش نظر سرینگر میں بھی اسی قسم کی ایک دوڑ کا انتظام ریاستی سپورٹس کونسل، ٹریفک پولیس اور محکمہ صحت کے اشتراک سے کیا گیا۔ مقابلہ جیتنے والوں میں جناب شیخ محمد عبداللہ نے انعامات تقسیم کئے۔

اگست ۱۹۷۳ء "پریس کی آزادی" کے موضوع پر مرحوم شمیم احمد شمیم ممبر پارلیمنٹ نے ایک خصوصی لیکچر دیا۔

- "نوجوانوں میں بے چینی کے اسباب" کے موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد ہوا۔ جس میں بسکو میموریل سکول کے پرنسپل مسٹر جے ایم رے اور صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی پروفیسر شکیل الرحمٰن نے اپنے مقالات پڑھے۔

نومبر ۱۹۷۳ء۔ اونتی پورہ میں سیلاب سے متاثرہ لوگوں کی امداد کے لئے سہ روزہ کیمپ منعقد ہوا۔

مارچ ۱۹۷۳ء فورم کے شعبۂ کھیل کود کے زیر اہتمام بیڈمنٹن ٹورنامنٹ کھیلا گیا۔ مقابلے میں ریاست کے مختلف تعلیمی اداروں کی ٹیموں نے شمولیت کی۔ اس مقابلے میں پہلی بار لڑکیوں کی ٹیموں نے بھی شرکت کی۔

جولائی ۱۹۷۳ء۔ فورم کے چیف آرگنائیزر جگموہن رینہ نے مہاراشٹر میں منعقدہ National Youth Meet میں

شمولیت کی۔

اکتوبر ۱۹۷۳ء۔ ہند و پاک کے درمیان ڈاک و تار کے تبادلے کے موقع پر فورم سے وابستہ نوجوانوں کی ایک ریلے نے ایک خط کے ذریعہ اوڑی چک سے پاکستانی عوام سے اسوقت کے وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی وساطت سے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ یہ خط محکمہ ڈاک کے حوالے کیا گیا۔ اس موقعہ پر نوجوانوں نے ہند و پاک دوستی زندہ باد کے نعرے بلند کئے۔

دسمبر ۱۹۷۳ء۔ "ہند و پاک تعلقات کی تعمیر نو" کے موضوع پر ریاستی سطح کا ایک سیمینار منعقد ہوا۔ جس میں جناب شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ، محمد یوسف مسعودی (مرحوم) سردار ہربنس سنگھ آزاد، پران ناتھ جلالی کے علاوہ فورم کے چیف آرگنائیزر جگموہن سنگھ رینہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جون ۱۹۷۵ء۔ خواتین کے بین الاقوامی سال کے سلسلے میں "جہیز اور سماجی انصاف" کے موضوع پر سرینگر کے کالج آف ایجوکیشن میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا گیا جس میں ریاست کے سرکردہ ماہرین قانون، قانون ساز اسمبلی کے ممبران، سرکردہ سماجی و سیاسی تنظیموں اور طلباء کے نمایندوں نے شرکت کی۔ سیمینار کا افتتاح بیگم شیخ محمد عبداللہ نے کیا۔

ستمبر ۱۹۷۵ء۔ "کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کی وباء اور اسکی روک تھام" کے موضوع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں سرینگر میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر، نوٹیفائیڈ اور ٹاؤن ایریا کمیٹیوں

کے ممبران اور برگزیدہ ڈاکٹروں نے عداوت کی وبا کو دور کرنے کے لئے
اپنی تجاویز پیش کیں۔ اس تقریب میں ریاست کے گورنر اور
ہائیکورٹ کے جج صاحبان کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

مئی ۱۹۷۶ء۔ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کو عوام
تک پہنچانے کے لئے ایک سائیکل ریلے کا انعقاد کیا گیا۔

- ایک تقریب میں فورم کے زیر اہتمام قائم شدہ بک بینک کی طرف
سے پانچویں سے آٹھویں جماعت تک زیر تعلیم غریب اور مستحق
طلبا میں ۵۰۰ درسی کتابیں تقسیم کی گئیں۔ یہ کتابیں کئی نوجوانوں
نے بک بینک کیلئے عطیے کے طور فراہم کی تھیں۔

دسمبر ۱۹۷۶ء۔ سرینگر کے کالج آف ایجوکیشن میں فورم کے سلسلے میں یوم علی
اکبرؑ منایا گیا۔ جسمیں کئی تحقیقی مقالات پڑھے گئے اور مقررین
نے شہید کربلا امام عالی مقام حضرت امام حسینؑ کے
فرزند حضرت علی اکبرؑ کے تئیں خراج عقیدت پیش کیا۔

ستمبر ۱۹۷۶ء۔ وادیٔ کشمیر کے مشہور کارٹونسٹ بشیر احمد بشیر کے کارٹونوں
کی نمائش کا اہتمام ہوٹل لالہ رخ میں کیا گیا۔ یہ نمائش دو روز جاری
رہی جسے سینکڑوں باذوق حضرات نے دیکھی۔ اس نمائش کا
افتتاح وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے کیا تھا۔

اگست ۱۹۷۶ء۔ فورم نے یوم آزادی کو مکمل نشہ بندی کے طور پر منایا۔ اس
روز ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں مرکزی اور
ریاستی حکومتوں سے پر زور اپیل کی گئی کہ وہ نشہ بندی پر قائم
رہیں۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ Leslie Sawhny Programme
کے پروگرام ڈائریکٹر ادیب پانڈے کے اعزاز میں سرینگر
امر سنگھ کلب میں ایک استقبالیہ دیا گیا جسمیں نوجوان کے مسائل
کو حل کروانے کے سلسلے میں انکی کوششوں کو سراہا گیا۔

مئی ۱۹۷۶ء۔ پنجابی سٹوڈنٹس سوسائٹی کشمیر یونیورسٹی کے اشتراک سے
اس کتاب کو شائع کرنے کی غرض سے مالی معاونت کیلئے ٹیگور
ہال سرینگر میں ایک رنگا رنگ ثقافتی پروگرام پیش کیا گیا۔

جون ۱۹۷۶ء۔ "کینسر اور آیورویدک علاج" کے موضوع پر ڈاکٹر اے ایم
ماتھر نے فورم کی طرف سے منعقد کی گئی ایک تقریب میں اپنا
ایک پر مغز مقالہ پڑھا۔ تقریب کی صدارت بیگم شیخ محمد عبداللہ
نے کی۔

جون ۱۹۸۰ء۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے اعزاز میں ایک
جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا۔ جسمیں بادشاہ خان نے "مذہب
اور انسانیت" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور حاضرین
کے سوالات کے جواب بھی دئے۔

متذکرہ بالا پروگراموں کے علاوہ فورم کے ممبران وقتاً فوقتاً دوسری ریاستوں
میں نوجوانوں کی کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہے اور اپنے طور پر ملکی اور بین الاقوامی
تنظیموں کے اشتراک سے نوجوانوں کی دلچسپی سے متعلق مختلف پروگرام منعقد کئے
ان تنظیموں میں اینمنسٹی انٹرنیشنل، اڈمنسٹریشن، ہندوستانی اندولن، ویسلی
ساہتی پروگرام، سرینگر روٹری کلب، ہند فلسطین فرینڈشپ سوسائٹی کے
نام قابل ذکر ہیں۔

حصّہ اوّل

مولانا محمد سعید مسعودی

ایک تیاگی اور دیش بھگت

سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء کی بات ہے کہ میں نے سردار بدھ سنگھ جی کا نام سُنا تھا۔ لیکن اُن کی شخصیت کا کوئی خاص تصوّر ذہن میں نہیں تھا۔ یہی یاد ہے کہ ان کو پتھر مسجد سرینگر کے صحن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی تقریب میں ایک جلسے میں دیکھا۔ انہوں نے اس جلسے میں بڑی پُرجوش تقریر کی اور اپنے جذبات ظاہر کئے۔ ان کی تقریر کا موضوع تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کے لئے کیا کچھ کہا ہے۔ اور کیا کچھ کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہوں نے لوگوں سے کہا کہ غریبوں کی صحیح طریقے سے خدمت کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کرنا ہے۔ یہ اُنکی تقریر کا خلاصہ اور مفہوم تھا جو سُننے والوں کو بہت پسند آیا۔ جب وہ تقریر کر کے چلے گئے تو سب لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کون صاحب ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ ایک فقیر دوست ہیں جو امیرا کدل سرینگر کے گردوارے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس تقریب کے بعد جب اُن سے ملاقات ہوئی اور پوری جان پہچان ہوئی تو غیر معمولی شخصیت نظر آئے اور معلوم ہوا کہ بڑے بڑے سرکاری عہدے ترک کر کے انہوں نے اپنے آپکو غریبوں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ہم مختلف موقعوں پر مسلم کانفرنس کے اسٹیج پر اُن کو بلاتے رہے۔ وہ عام لوگوں سے خطاب کرتے رہے اور لوگ بھی اُن سے

متعارف ہو گئے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔

۱۹۳۸ء میں جب کشمیر کی تحریک آزادی کچھ آگے بڑھی تو سردار صاحب کے علاوہ کچھ چیدہ دوستوں کی بھی یہ غلط فہمی کہ مسلم کانفرنس ایک فرقہ پرست جماعت ہے دور ہو گئی۔ وہ یہ حقیقت سمجھنے لگے کہ یہ ایک عوامی قسم کی سیاسی جماعت ہے اس طرح سے سردار صاحب مسلم کانفرنس کے اور بھی زیادہ قریب آ گئے اور کھلے طور پر اپنے خیالات کے اظہار کیلئے مسلم کانفرنس کے اسٹیج کو استعمال کرنے لگے۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم کانفرنس کے رہنماؤں اور یہاں کی مختلف جماعتوں کے سرکردہ لیڈروں نے جن میں پنڈت جیا لال کلم، پنڈت کشپ بندھو، پنڈت پریم ناتھ بزاز، پنڈت شام لعل صراف اور سردار بدھ سنگھ بھی شامل تھے باہمی مشورہ سے کہ بعد گورنمنٹ کو "نیشنل ڈیمانڈ" کے نام سے ایک یادداشت پیش کی۔ مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے سرکردہ ممبران کے علاوہ ان اصحاب نے بھی اس یادداشت پر دستخط کئے تھے۔ اسی زمانے میں گورنمنٹ نے مسلم کانفرنس کے ایک سرکردہ لیڈر راجہ محمد اکبر صاحب میرپوری کو ایک تقریر کرنے پر بغاوت کا الزام لگا کر تین سال قید کی سزا دی تھی۔ اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ ہائیکورٹ نے سزا کی مدت تو گھٹا دی لیکن راجہ صاحب کو بری نہ کیا جس پر عوام نے زبردست احتجاج کیا۔ ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں نیشنل ڈیمانڈ پر دستخط کرنے والے اکثر لیڈروں نے بشمول سردار بدھ سنگھ نے تقریر کی۔ گورنمنٹ نے جلسے جلوسوں اور تقریروں کی آزادی پر پابندی لگا دی۔ مسلم کانفرنس کے لیڈروں کے علاوہ سردار بدھ سنگھ اور دوسرے اصحاب جو غیر منظم طور پر مسلم کانفرنس سے تعاون کرتے تھے نے مل کر فیصلہ کیا

کہ وہ ان پابندیوں کی مخالفت کرینگے خلاف ورزی شروع کر دی گئی اس سلسلے میں جو پہلا جلسہ ہوا اس میں سردار صاحب نے بھی شرکت کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ، خواجہ غلام محمد صادق، پنڈت کشپ بندھو، سنت بدھ سنگھ اور یہ ناچیز بھی گرفتار ہو گئے۔ پہلی بار مجھے سردار صاحب کو نزدیک سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ جب بادامی باغ کے حوالات میں ہمیں اکٹھے رکھا گیا اور وہاں مجسٹریٹ سے سزا دلوانے کے بعد ہمیں اودھمپور جیل اور وہاں سے سنٹرل جیل جموں میں منتقل کیا گیا وہاں شیخ صاحب کو کسی اور جیل میں منتقل کیا گیا لیکن مجھے سردار صاحب، [illegible] صاحب اور دوسرے دوستوں کو سنٹرل جیل جموں میں ہی رکھا گیا۔ جیل میں اکٹھے رہنے کے دوران ہمیں ایک دوسرے اور عام قیدیوں کے حالات کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔ چھ مہینوں کی مسلسل قید ہم نے ان جیلوں میں کاٹی۔ اس کے بعد مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے طے کیا کہ اب ہمیں مسلم کانفرنس کا نام اور آئین تبدیل کرنا چاہئے۔ پہلے تو آئین تھا جو شخص اپنے آپکو مسلمان کہلاتا ہو وہ مسلم کانفرنس میں شامل ہو سکتا ہے اس کے بعد آئین میں ترمیم کی گئی کہ ہر وہ شخص جو جموں وکشمیر کی سیاست میں مخلصانہ حصہ لیتا ہو، جمہوریت میں یقین رکھتا ہو اور ریاست کی ترقی اور آزادی کا خواہاں ہو تنظیم میں شمولیت کا حق رکھتا ہے۔ مرحوم خواجہ غلام محمد صادق کی صدارت میں مسلم کانفرنس کا تاریخی اجلاس بلایا گیا۔ جس میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا نیا آئین بنا۔ نئے دوست شامل ہو گئے اور بدھ سنگھ تیاگی بھی نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے (یہ تاریخی اجلاس مجاہد منزل میں منعقد ہوا) نیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس

اننت ناگ میں اور دوسرا بارہمولہ میں منعقد ہوا۔ سردار بدھ سنگھ بارہمولہ کے اجلاس کے علاوہ نیشنل کانفرنس کے دوسرے اور تیسرے سالانہ اجلاس کے بھی صدر رہے۔ اس طرح سے نیشنل کانفرنس میں اُن کو وہ رُتبہ حاصل ہوا جو شیخ محمد عبداللہ کے بعد اور کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔ جب وہ تنظیم کے صدر تھے اور میں جنرل سیکرٹری تھا مجھے اُن کے ساتھ بہت قریب سے کام کرنے کا موقع ملا۔ اور میں نے اندازہ کیا کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جس نے زندگی کی سب خواہشات پر قابو پالیا ہے۔ ایک دو جوڑے کپڑے ایک کمبل اور کھدر کے دو تین گز کی پگڑیوں کے علاوہ اُن کی ضروریات میں اور کوئی چیز شامل نہیں تھی۔ اکثر اوقات ان سب چیزوں کو چھوٹی سی تھیلی میں ڈال کر بغل میں دبا کر چل پڑتے اور وہ تھیلی کسی کو اُٹھانے نہیں دیتے تھے۔ باوجودیکہ جوانی میں انہیں کمر کی تکلیف ہو گئی تھی جس کی وجہ سے انہیں چلنے پھرنے میں بڑی دقت ہوتی تھی لیکن تنظیمی دورے کرنے اور نیشنل کانفرنس کا پیغام گھر گھر پہنچانے میں وہ کسی دوسرے سے پیچھے نہیں رہے۔ جب وہ نیشنل کانفرنس کے صدر تھے ہم پونچھ راجوری ریاسی اور ادھمپور کا دورہ کر رہے تھے۔ سردی کا موسم تھا پیدل چلنا کچھ خوشگوار نہیں لگتا تھا۔ شیخ صاحب راجہ محمد اکبر خان اور بارہمولہ کے شیخ محمد اکبر کے علاوہ سردار صاحب بھی اس دورے میں شامل تھے تنظیم کے صدر ہونے کی حیثیت میں انہیں یہ احساس تھا کہ اس کاروان کی ساری ذمہ داری اُن پر ہی ہے۔ جب پونچھ راجوری کے علاقے میں ہم پہنچے ان کی جانب سے اپنے ساتھیوں کے تئیں میزبانی کا سلوک شروع ہوا۔ سواری کے لئے انہوں نے ہمارے لئے گھوڑوں اور خچروں کا انتظام کیا اور خود پیدل چلتے رہے۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہونے کے باوجود بعد

میں پہنچتے جبکہ سردار صاحب پیدل چل کر منزل پڑاؤ پر ہم سے پہلے ہی پہنچ جایا کرتے تھے۔ ایک دن ہم نے صبح کو پیاسا کافی لمبا سفر طے کیا جب ہم غالباً راجوری میں ٹھنی بارت کے مقام پر پہنچ گئے تو ہمیں بہت بھوک لگی تھی۔ گاؤں سڑک سے دور تھا اور بہت کم لوگ جان پہچان کے تھے۔ سردار صاحب یہ سب کچھ جانتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے صبح ہی اپنی تھیلی میں آلو ڈال دئے تھے ایک جگہ آگ جلا کر آلو بھون کر اُن میں نمک ملا دیا۔ شیخ صاحب اور باقی ساتھیوں نے گویا ایک نعمت سمجھ کر اُس وقت گرم گرم آلو سے بھوک کی آگ ٹھنڈی کی۔

ایک دفعہ سردار صاحب اور میں نے اننت ناگ سے تنظیمی دورہ شروع کیا۔ ہم اپنے سفر کے دوران علاقۂ شمل ملتے ہوتے ہوئے کشتواڑ پہنچ گئے اُس زمانے میں کشتواڑ سے اوپر ایک نہر کا کام شروع کیا گیا تھا۔ ان دشوار گزار راستوں کا سفر میں نے اور دوسرے ساتھیوں نے گھوڑوں کے ذریعے طے کیا۔ لیکن تیاگی صاحب نے یہ سارا سفر پیدل اطمینان سے طے کیا حالانکہ ان دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں سفر کے دوران اچھے بھلے نوجوان کی سانس پھول جاتی ہے۔

سردار صاحب کی تحریر پُر اثر ہوتی تھی وہ غریبوں کے حالات اُن کی تکالیف و مصائب تفصیل سے لکھتے نیشنل کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے بارہمولہ اور سرینگر کے سالانہ اجلاسوں میں جو صدارتی خطبے انہوں نے لکھے وہ نہایت ہی اعلیٰ تحریریں تھیں۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں مہاراجہ ہری سنگھ سے تخت چھوڑنے کا مطالبہ کرنے کی جو تحریک "کشمیر چھوڑ دو" کے نام سے چلی اُس میں سنت بدھ سنگھ جی پیش پیش

تھے۔ تحریک کے دوران انہوں نے مہاراجہ کے خلاف نہایت سخت تقریریں کیں۔ انہوں نے تاریخی شہادت سے ثابت کیا کہ ڈوگرہ راج لاہور راج سے غداری کرنے کی وجہ سے قائم ہوا۔ اگر غداری کر کے گلاب سنگھ مہاراجگان لاہور کے حقوق انگریزوں کو بخش دیتے تو ان کو یہ ریاست ملنے والی نہیں تھی اور جو ظاہری قیمت مقرر ہوئی۔ وہ ظاہرداری تھی۔ یہ در اصل غداری کا معاوضہ تھا جب وہ کوئٹ کشمیر کے ہنگامے میں گرفتار کئے گئے۔ ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا۔ جس کی سماعت عدالت میں چھ مہینوں تک چلتی رہی۔ استغاثہ کے الزامات کو قبول کرتے ہوئے اپنی تقاریر کی تائید میں جو بیان دیا۔ وہ ایک تاریخی دستاویز تھا۔ انہوں نے پولیس کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پولیس نے تقاریر کی ساری تفصیل اپنی ڈائری میں بیان نہیں کی ہے بلکہ میں نے اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ کہے ہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں انہوں نے تاریخ کنہیا لال تاریخ لاہور اور تاریخ پنجاب جیسی مستند تواریخ کا حوالہ دیکر ثابت کیا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وارثوں اور لاہور کی خالصہ حکومت کے ساتھ گلاب سنگھ نے کیا کچھ کیا ہے۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ انہوں نے کوئی خودساختہ بیان نہیں دیا ہے بلکہ تاریخ کی روشنی میں واقعات کو دہرایا ہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ان ڈوگرہ بھائیوں نے لاہور کی حکومت کو تباہ کرنے کیلئے کیا کیا سازشیں کیں اور کس طرح بھائیوں کو بھائیوں کے ساتھ چاچوں کو بھتیجوں کے ساتھ لڑا کر آپس میں اُن کو کمزور کر دیا اور بعد میں انکو انگریزوں سے لڑایا اور پھر صلح کن بن گئے۔ اور اس طرح سے اُن کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ سردار صاحب مرحوم کا یہ تاریخ ساز

بیان ۱۹۳۶ء کے اوائل میں جبکہ وہ پابند سلاسل تھے خواجہ غلام محی الدین قرہ کی کوششوں سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔ کیونکہ اُن کے بیانات کو کارکنوں کی پولیٹیکل اسٹیڈی کے لئے بہترین مواد مانا گیا تھا۔

کوئٹ کشمیر کے دوران جیل میں میں نے تیاگی جی اور دوسرے دوستوں نے بھوک ہڑتال کی۔ اس میں طویل بھوک ہڑتال جو تھی وہ تیاگی جی اور میری تھی بڑھاپے کے باوجود ۱۲ دن کی بھوک ہڑتال نبھانا کمال تھا۔ گورنمنٹ نے ہم دونوں کو علاج معالجہ کیلئے سنٹرل جیل سرینگر سے باداماباغ منتقل کیا۔ کیونکہ ہماری موجودگی سے باقی قیدی کارکنوں پر کافی اثر پڑتا تھا۔ اس طرح سے ہمیں دوسرے سیاسی قیدیوں سے دور رکھا گیا۔ بعد میں ہم جب صحت یاب ہو گئے تو ہمیں اپنے اپنے ضلع کی جیلوں میں منتقل کیا گیا یعنی کہ میرے ساتھی تیاگی جی کو میرپور اور مجھے مظفرآباد بھیجا گیا۔ یہ کارروائی اُس وقت کے وزیر اعظم رام چند کاک کے ایماء پر کی گئی تھی۔ اسی دوران قبائلی حملہ ہوا میں مظفرآباد جیل سے رہا ہو کر پیدل سرینگر پہنچ گیا۔ سردار جی میرپور جیل سے رہا ہوئے۔ ہم نے بذریعہ تار اُن کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ رفیوجیوں کے مصائب اور نامساعد حالات کے باوجود سردار صاحب مختلف مراحل سے گذر کر سرینگر پہنچے۔ ایمرجنسی گورنمنٹ کے قائم ہونے کے بعد اُن کے ذمے رفیوجیوں کی بحالی کا کام سونپا گیا۔ اسلئے اُن کا زیادہ تر وقت رفیوجیوں کے مسائل حل کرنے میں صرف ہوگیا۔

۱۹۵۲ء میں پارلیمنٹ میں ریاست کو نمائندگی دی گئی۔ جس کی رو سے لوک سبھا کیلئے چھ ممبر اور راجیہ سبھا کیلئے چار ممبر منتخب کئے گئے۔ سردار صاحب راجیہ سبھا اور میں لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئے۔ اس طرح سے

پارلیمنٹ میں بھی ہم دونوں کو اکٹھا رہنے کا موقع ملا۔ وہاں بھی جب کبھی کھڑے ہوتے تو غریبوں کیلئے بولتے رہے جو عام رواج لوک سبھا میں ممبران کی تقاریر کا ہوتا تھا۔ وہ اس سے ہٹ کر بڑی سادہ اور عام فہم زبان میں عوام کے مسائل و مصائب کا ذکر کرتے تھے۔ بعد میں جب اگست ۱۹۵۳ء کا واقعہ رونما ہوا۔ اُس معاملے میں اُن کا رویہ مجھ سے مختلف تھا۔ اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مکمل طور بخشی غلام محمد کے حامی تھے بلکہ وہ شیخ صاحب اور بیگ صاحب کے طریقہ کار سے خوش نہیں تھے لہٰذا ہم سے بھی وہاں اُن کے ساتھ موافقت نہیں ہوئی۔ جبکہ ہم شیخ صاحب اور بیگ صاحب کی رہائی کے کوشاں تھے اس میں اُن کو زیادہ التفات کی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس لئے وہ ہم سے دور ہی رہے۔ ۱۹۵۶ء کے بعد اُن سے ملاقات کا سلسلہ منقطع ہوا۔ آخر ۱۹۶۰ء میں میں ٹی۔ بی کے عارضہ میں مبتلا ہوا اور علاج معالجے کے سلسلے میں دہلی میں مقیم تھا۔ تو تیاگی جی میری تیمارداری کے لئے آئے۔ ہم نے دکھ درد کی باتیں کیں۔ اور اس کے بعد دہلی میں ہی کچھ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اور یہ ہماری ملاقات کا آخری سلسلہ تھا۔ اس کے بعد دوستوں کے ذریعہ سے اُن کی خیر و عافیت سے مطلع ہوتا رہا لیکن ملاقات کا کوئی موقعہ نہ آیا۔

سردار صاحب جیسے آدمی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ سردار صاحب باپ کی طرف سے سکھ نہیں تھے لیکن اُن کی ماں سکھ مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ سنت بدھ سنگھ اور ان کے بھائی سوہن سنگھ پر اُن کی ماں کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ ہر چیز سے مقدم اور عظیم تر خدا کو سمجھتے تھے۔ وہ غریبوں کی مدد بغیر کسی خوف کے کرتے تھے۔ ان کے کردار پر اپنی والدہ کے خیالات

کے اُن کے گہرے نقوش تھے کہ وہ دونوں بھائی عالم ہونے کے باوجود غریب پروری اور دیانتداری کیلئے مشہور رہے۔ یہ اُنکی خوش قسمتی تھی کہ انکی والدہ نے اُن کے لئے جو سانچہ تیار کیا تھا وہ اُس میں پورے ڈھل گئے۔

وہ لمبی چوڑی سیاست میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا اعتقاد نعرہ بازی میں تھا وہ سوشلزم، سیکولرازم اور ڈیموکریسی کے علاوہ دیگر ازموں کے خالی خولی نعروں کے بجائے اُنکی روح کو عملی جامہ پہنانے کے کوشاں تھے۔ ان میں سوشلزم اور جمہوریت کی روح موجود تھی لیکن وہ ان سے نعرہ بازی کے طور پر استعمال کرنے کے خلاف تھے وہ یہ کچھ بھی کرتے محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرتے تھے مگر جو ایسی شخصیتیں عموماً سیاست میں نہیں آجاتیں لیکن اس زمانہ کی نیشنل کانفرنس کی خوش قسمتی تھی اُسکو ایک ایسا آدمی مل گیا جس نے تحریک کو لوگوں کے نزدیک لے جانے میں کافی کام کیا۔ کیونکہ کسی تحریک کو عام لوگوں کے پاس لے جانا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اونچی سٹیج پر بولنے والے بہت لوگ ہوتے ہیں جو اسٹیج پر زندہ باد کے نعرے لگا کر چلے جاتے ہیں۔ اصل میں وہ آدمی جو اسٹیج پر بولنے کے بعد غریبوں کی جھونپڑیوں میں گھس کر اُن کے بچوں کے ساتھ باتیں کرنے۔ اُن کی مجلسوں میں اُن ہی کے ساتھ اُن ہی کی طرح اُن کا کے برابر زمین پر بیٹھے اور عوام کے دکھ سکھ میں شریک ہو جائے وہ لوگوں کو تحریک کے زیادہ نزدیک لے جاتا ہے۔ اس معاملے میں نیشنل کانفرنس میں سردار صاحب سرفہرست تھے۔ ان کی مثال سوائے راجہ محمد اکبر خان کے اور کہیں نہیں ملتی۔ راجہ صاحب بھی اسی طریقے عوام میں گھل مل جاتے تھے ٹھیٹ کے طور پر عوام بھی اُن سے لپٹ جاتے گویا وہ تحریک سے لپٹ

گئے ہیں۔ جن لوگوں نے ریاست جموں و کشمیر کی پسماندہ آبادی کو بیدار کر کے بے لوث جد و جہد کے راستے پر ڈالا اور سنہ ۱۹۳۱ء سے سنہ ۱۹۵۱ء تک کے دور میں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کی وہ تحریک چلائی، جس کو انڈین نیشنل کانگرس کی تحریک کا نمونہ مانا گیا۔ ان لوگوں میں مجھے کہنے دیجئے سنت بدھ سنگھ جی اور راجہ محمد اکبر صاحب میرپوری نمونے کے انسان تھے۔ راجہ صاحب سنہ ۱۹۴۶ء میں کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران ہی خدا کو پیارے ہو گئے لیکن مہاتما سنت بدھ سنگھ جی اس وقت تک یہ فرض انجام دیتے رہے، جب تک سنہ ۱۹۵۳ء میں نیشنل کانفرنس کو اندرونی اختلافات نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیکار نہ کر دیا۔

لالہ ملک راج صراف

جے کسان جے جوان کا موجد

"اس سچائی سے ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو اقدامات آپ نے کئے ہیں وہ سراسر بے انصافی پر مبنی ہیں اور ان سے عوام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اب پبلک کا آپ کی سچائی، انصاف پسندی اور جذبۂ وفاداری کے متعلق وہ نظریہ نہ رہا جو پہلے تھا۔ یہ خیال نہ صرف ریاست میں بلکہ سارے ہندوستان میں پھیل رہا ہے۔ اس سے پہلے آپ کو ایک ہوشیار، ضمیر والا، خوددار، نہایت ذہین، انصاف پسند شہزادہ مانا جاتا تھا اور ان دل و دماغ کی خاصیتوں کی وجہ سے لوگ آپ سے پیار کرتے تھے۔ اب لوگ آپ کو کمزور، شرمیلا، بے انصاف حکمران کہہ کر پکارتے ہیں۔ مجھے معاف رکھنا میرا مذہب سچائی ہے۔ میرے دل و دماغ سے چاپلوسی، خوشامد اور جھوٹی باتیں کرنا دور ہیں۔ میں اصلیت کا پجاری ہوں اس لئے ناراض نہ ہونا......"

یہ اس چٹھی کے چند اقتباسات ہیں جو تیاگ مورتی سنت بدھ سنگھ جی نے ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں مہاراجہ ہری سنگھ جی کو فرانس میں بھیجی تھی جہاں آپ مہارانی صاحبہ کے ساتھ قیام پذیر تھے اور جہاں کینیس میں مارچ سنہ ۱۹۳۱ء میں یوراج کرن سنگھ جی پیدا ہوئے تھے۔ اس چٹھی میں ظاہر کردہ خیالات و جذبات کے محرک زیادہ تر وہ شاہی احکام تھے جن کی رو سے ریاست جموں و کشمیر کے اولین واحد اخبار "رنبیر" اور اولین عوامی جماعت ڈوگرہ صدر سبھا جموں پر پابندی لگا

عاید کی گئی تھی۔ اول الذکر تو اس پاداش میں کہ اس نے ایک خاص ضمیمہ کی صورت میں مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے خلاف پروٹسٹ کے طور پر جموں میں ایک مکمل ہڑتال کی خبر کی تشہیر کی تھی اور ڈوگرہ سبھا کو اس لئے کہ اس کے جنرل سیکرٹری نے پریذیڈنٹ انڈین نیشنل کانگرس کے نام ایک چٹھی کے ذریعے سبھا کو کانگرس کی ہی ایک شاخ ظاہر کیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت مہاراجہ ہری سنگھ کو ان اخباروں میں صرف تیاگ مورتی سردار بدھ سنگھ جی ہی ایڈریس کر سکتے تھے اور لطف یہ کہ سردار صاحب خود ان دنوں ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر متمکن تھے۔ یہ ایک جرأت اور ایثار کی بات تھی جو لوگ سردار صاحب کے نام اور کام سے پوری طرح واقف تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ تیاگ مورتی بدھ سنگھ جی کی بات بخلاف کبھی نہ ڈرتے تھے اور وہ ہر نوع انسان کے ہمدرد تھے۔ سچے محب وطن تھے غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور اچھوت مندروں کے غمخوار تھے۔ مجھے سردار بدھ سنگھ جی کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع بھی پراپت ہوا ہے۔ وہ "رنبیر" کو ایک قوم پرست اخبار کے ناطے اپنا ہی اخبار سمجھتے تھے اور اس کے ذریعہ اپنے خیالات کا اکثر اظہار کرتے تھے یہاں تک کہ "رنبیر" اور سردار بدھ سنگھ جی ایک دوسرے کے لازم و ملزوم گردانے جاتے تھے۔ وہ جب تک تو ریاست کے اس اولین اخبار کو صرف سالانہ چندہ دینے پر اکتفا کیا مگر سردار بدھ سنگھ جی نے اپنا ایک قطعہ اراضی چندہ کی صورت میں میرے نام بحیثیت ایڈیٹر و مالک "رنبیر" کے وقف کر دیا۔

میں نے ان کے قول و فعل میں ہمیشہ یک رنگی پائی۔ وہ کھدر اور سودیشی اشیاء کے استعمال پر زور دیتے تھے اور خود بھی کھدر پہنتے تھے وہ طبیعتاً فقیر منش تھے۔ قربانی کا مادہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ انہوں نے متمول ہونے کے باوجود جیل کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ ریاستی جیل میں انہوں نے چوہدری غلام عباس کے ساتھ پورے روزے بھی رکھے۔ اعلیٰ سرکاری ملازمت کے دوران سردار بدھ سنگھ جی نے مسٹر ویکفیلڈ جیسے جابر انگریز افسر سے بھی ٹکر لی۔ جب آپ نے دیکھا کہ آپ ایسا اعلیٰ سرکاری عہدہ پر رہ کر عوام کی وہ خدمت نہیں کر سکتے جو آپ حقیقت میں کرنا چاہتے تھے تو آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی پس و پیش کے بغیر اس عہدہ پر لات مار دی۔ مجھے سردار صاحب کے ساتھ دیہات میں سفر کرنے کا بھی موقعہ ملا ہے وہ اکثر پیدل ہی چلا کرتے تھے۔ معمولی پھلوں اور کچھ سبزیوں پر ہی گزارہ کیا کرتے تھے ان کے متعلق دیہاتی لوگوں کی عقیدت مندی لامحدود تھی۔ اور ان کو ایک طرح سے ولی تصور کرتے تھے۔ ایک بار ہم دونوں بارہمولہ کے نزدیک واقع پہاڑ پر چلے گئے وہاں ایک گاؤں کے لوگوں نے سردار صاحب سے خشک سالی کی شکایت کی اور کہا کہ وہ بارش کے لئے ترس رہے ہیں۔ آپ نے حسب معمول ان کی ڈھارس بندھاتے ہوئے تلقین کی کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھو اور اس کا سمرن کرو۔ دیہاتیوں نے اس پر عمل کیا۔ ابھی زیادہ وقت گزرنے نہ پایا تھا کہ بارش کے دیوتا نے درشن دئے۔ سردار جی کے لئے ان دیہاتیوں کی شردھا کئی گنا مزید بڑھ گئی۔

چھمب کے لوگوں کو وہاں کے راجہ کی زیادتیوں سے نجات دلانے کے لئے تیاگ مورتی سردار بدھ سنگھ نے کرکسن لال اور جموں اور چھمب کے تین سو والنٹیرز کا جتھا لیکر چھمب پر چڑھائی کر دی میں خود بھی اس جتھے میں شامل تھا۔ راجہ کی پولیس نے مزاحمت کی۔ سردار جی نے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی اور ہم سب ان کی رہنمائی میں فاتحانہ انداز میں چھمب کی حدود میں داخل ہوئے۔ چھمب ستیہ گرہ سردار جی کی پبلک زندگی کے بہترین کارناموں میں سے ایک تھا۔

ریاست جموں و کشمیر میں صحیح معنوں میں قومی سرگرمیوں کا آغاز ان ہی شخصیتوں کی انتھک اور بے لاگ کوششوں کا مرہون منت ہے۔ ایک لالہ جسونت راج ڈوگرہ (وکیل) جنہوں نے نہ صرف ڈوگرہ صدر سبھا کی بلکہ دوسری سبھاؤں اور انجمنوں کی بھی بنیاد رکھی۔ یہ اس صدی کے آغاز کی بات ہے۔ اس کے تقریباً پندرہ سال بعد سنت بدھ سنگھ جی نے سرکاری ملازمت میں ہوتے ہوئے بھی رفاہ عوام کے کاموں میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ افسوس کہ دونوں بزرگ اس وقت ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کے کارہائے نمایاں رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔

سردار صاحب کے خلاف بسا اوقات ان کے اعلیٰ افسروں نے آپ کی پبلک سرگرمیوں کی بابت شکایت کی لیکن حکمران وقت مہاراجہ پرتاپ سنگھ ان کے حق میں تھے اس لئے آپ کے مخالف آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تاہم جب آپنے محسوس کیا کہ سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے وہ عوام کا بھلا نہیں کر سکتے آپ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور قومی کاموں میں جٹ گئے۔ بھلا گورنمنٹ اس شخص کی سرگرمیوں کو کب تک برداشت کر سکتی تھی۔ اس کے نتیجے کے طور پر آپ کو ایک سے زاید بار قید و بند کے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ کبھی قلعہ باہو میں، کبھی ریاستی جیل میں، کبھی اودھمپور میں، کبھی اپنے آبائی وطن میرپور میں اور کبھی سرینگر کے ہاری پربت جیل اور بادامی باغ چھاؤنی میں۔ لیکن عوام نے آپکو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ تین بار آپ نے ڈوگرہ صدر سبھا کے سالانہ اجلاس کی صدارت فرمائی۔ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے وجود میں آنے کے بعد آپ دو بار اس کے صدر چنے گئے۔ ان دنوں متعدد جماعتوں کے صدر کی حیثیت میں جو انقلاب انگیز تقریریں آپنے کیں وہ جموں و کشمیر کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے جموں و کشمیر کی وزارت عظمیٰ کی باگ ڈور سنبھالی تو سردار بدھ سنگھ جی کو اپنی کیبنٹ میں بطور وزیر مالیات لے لیا اور اس کے ساتھ ہی آپنے مقدور بھر رفیوجیوں کی بحالیات کی۔ بعد ازاں آپ براڈ کاسٹنگ اور انفارمیشن وزیر مقرر ہوئے جس سے آپ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو مستعفی ہو گئے۔ تاہم آپ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ کے برابر رکن رہے۔ ریاست کی سیاسیات میں آپکی خدمات کا ریکارڈ نہایت شاندار ہے۔ غریب مزدوروں کسانوں اور محتاجوں کی حاجت روائی میں جو نمایاں حصہ آپنے ادا کیا ہے وہ بلا شبہ ناقابل فراموش ہے۔

سردار بدھ سنگھ جی لگاتار بارہ برس تک ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۴ء تک پارلیمنٹ (راجیہ سبھا) کے ممبر بھی رہے۔ اس طویل عرصے کے دوران آپنے سینکڑوں تقریریں کیں اور دل کی عمیق گہرائیوں سے ان کی جو بھی آواز نکلی بلا خوف و خطر اور پوری قوت کے ساتھ ایوان میں بلند کی۔

بہت کم اصحاب کو اس بات کا علم ہوگا کہ "جے کسان جے جوان" کا قومی نعرہ سب سے پہلے سردار بدھ سنگھ جی نے ہی ۱۹۶۳ء میں پارلیمنٹ کے اندر اپنی ایک تقریر کے دوران لگایا تھا۔ اس تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ملک کی موجودہ حالت اور کام کا اندازہ محض بڑی بڑی عمارتوں اور شہروں کے رنگ و روغن کا منظر دیکھ کر نہ لگائیں بلکہ دوسری طرف لاکھوں کچے کوٹھے، گھاس پھوس کے جھونپڑے، بے چراغ ڈیرے اور ان میں رہنے والے بے بس انسانوں کی دردناک حالت بھی تصور میں لائیں اور پھر دیکھیں، نظر دوڑائیں اور سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا ہم نے کیا کیا ہے اور

کیا کرتا باقی ہے، جیسے مزید فرمایا: "پانچ فیصد دولت مندوں کے لئے آپ نوے
فیصد کسانوں اور مزدوروں کو کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ زرعی اصلاحات کے
کام میں دیر کرنا خطرناک نتائج پیدا کرے گا۔" میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ
آپ کے کام کرنے کے طریقے بڑے سلجھے، پیچیدہ اور ڈھیلے ہیں۔

سردار بدھ سنگھ جی ریاست جموں و کشمیر کی اسمبلی جس کا نام موقت
"پرجا سبھا" تھا کے بھی کچھ وقت ممبر رہے لیکن اس میں سرکاری ممبران کی اکثریت
تھی بقول اُن کے "گورنمنٹ اپنے ممبروں یعنی سرکاری ممبروں، جاگیرداروں،
وظیفہ داروں، پنشنروں وغیرہ کی اکثریت سے من مانا قانون پاس کرا لیتی۔ یہ اسمبلی
ایک ڈھونگ اور فریب تھا۔" چنانچہ آپ نے بطور پروٹسٹ اس ممبری سے استعفیٰ
دے دیا۔ آپ چند ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں آپ نے کسانوں، مزدوروں،
غریب غرباء ہریجنوں کی بدحالی کا نقشہ کھینچا ہے اور ان لوگوں کے سدھار پر
اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ یہ کتابیں ہیں: کسان کی داستان، غریبوں کے دُکھ کا
علاج، درد دل، انصاف کی تلاش۔ اس کے علاوہ آپ کے سینکڑوں مضامین
تقریریں اور بیانات جو سب کی سب حُبِّ وطن اور انسانیت کے جذبے سے لبریز ہیں،
اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔

صوفی محمد اکبر

سردار بدھ سنگھ اور جنگِ آزادی

سینکڑوں سال سے ہماری ریاست پر جاگیرشاہی کا راج قائم تھا۔
اس سلسلے کی آخری کڑی ڈوگرہ راج کی تھی۔ اس جاگیردارانہ اور آمرانہ نظامِ حکومت
میں ریاست کے عوام سیاسی، اقتصادی، معاشی، تمدنی اور دیگر قسم کی غلامیوں
کے بُری طرح شکار تھے۔ ہر طرف استحصال، مظالم اور غیر جمہوریت کا دور دورہ
تھا۔ وقتاً فوقتاً اس جابرانہ نظامِ حکومت کے خلاف محدود صورت میں آوازیں
بلند ہوتی رہیں، لیکن ان کو ساتھ ہی ساتھ دبا دیا جاتا تھا۔ آخر ۱۹۳۱ء میں ایک ایسا
وقت آیا جب یہاں جناب شیخ محمد عبداللہ اور دیگر رہنماؤں کی رہنمائی میں تحریکِ
آزادی شروع ہوئی۔ ابتداء میں یہ تحریک مسلم کانفرنس کی تنظیم کے جھنڈے
تلے جاری رہی۔ اگرچہ نام کے لحاظ سے یہ تنظیم فرقہ وارانہ تھی لیکن اس کے جو
اغراض و مقاصد اور پروگرام تھے اُن کا تعلق بلا امتیازِ مذہب و ملت ریاست
کے سب کے سب پسماندہ اور مظلوم لوگوں کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ریاست کی
اسمبلی (پرجا سبھا) میں جب مسلم کانفرنس کی جماعت کو اپنے مطالبات جن کا
تعلق سب فرقوں کے ساتھ تھا پیش کرنے کا موقع ملتا تھا تو ایسے موقعوں پر غیر
مسلموں میں سے جو سب سے زیادہ مسلم کانفرنس کے پروگرام اور مطالبات
کی حمایت کرتے تھے، اُن میں سردار بدھ سنگھ تیاگی صاحب پیش پیش ہوا
کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ اسمبلی میں کاہچرائی کے متعلق ایک بل پیش

ہوا تھا۔ اس وقت اس سلسلے میں بطور احتجاج جب مسلم کانفرنس کے اراکین نے اسمبلی ہال کا بائیکاٹ کیا تو سردار بدھ سنگھ نے بھی اس پارٹی کا ساتھ دیکر ایوان سے واک آؤٹ کیا۔ اسی طرح سے وہ اکثر ایسے معاملات میں اسمبلی کے اندر اور باہر مسلم کانفرنس کا ساتھ دیا کرتے تھے۔

جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے قیام کے جو وجوہات ہیں ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض غیر مسلم ممبران اسمبلی خاص کر محترم سردار صاحب اکثر فرماتے تھے کہ اگر ہم عوامی مطالبات میں یا تحریک آزادی میں مسلم کانفرنس کا ساتھ دیتے ہیں تو ہمارے لئے تنظیم کے دروازے کیوں نہیں کھول دئے جاتے۔ تاکہ ریاستی عوام بلا امتیاز مذہب و ملت ایک تنظیم میں منظم ہو کر اپنی آزادی کے لئے مل کر جدوجہد کریں۔

۱۹۳۸ء میں جبکہ ابھی مسلم کانفرنس ہی قائم تھی تو مسلم کانفرنس کے رہنماؤں اور ان کے ساتھ سردار صاحب پنڈت کشپ بندھو جیا لال کلم اور دیگر حضرات کی طرف سے "نیشنل ڈیمانڈ" کے نام سے ایک مشترکہ منشور شایع ہوا۔ جس میں حکومت سے ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ اور نیشنل ڈیمانڈ پر دستخط کرنے والے تمام حضرات کو پابند سلاسل کیا گیا۔ ان میں محترم سردار صاحب بھی شامل تھے۔

سردار صاحب فطرتاً ایسے بزرگ انسان تھے جو بلا امتیاز کسی فرقہ و ملت کے سرزمین پر رہنے والے ہر انسان کی دل سے خدمت کرنا چاہتے تھے۔ وہ سینکڑوں میل کا سفر پیدل طے کرتے ہوئے استحصال اور دیگر مظالم کا خاتمہ کرانے کا پرچار لوگوں میں ہر جگہ کرتے رہے اور مظلوموں کے دکھ درد میں شامل

ہوتے تھے چنانچہ اپنے بلند خیالات اور نیک صفات کی بدولت وہ سکھ فرقہ کے علاوہ مسلمانوں میں بھی ہر دلعزیز تھے اور ہر جگہ ان کی تعظیم و تکریم کی جاتی تھی۔ سردار بدھ سنگھ جی ناگی دو دفعہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ اپنی صدارت کے دوران انہوں نے ملک کی آزادی کے لئے اور مظالم و استحصال کے خاتمے کے لئے جو تقریریں کیں یا خطبات لکھے اُن سے اس امر کی عکاسی ہوتی تھی کہ وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے کس قدر مضطرب ہیں وہ نہایت خلوص کے ساتھ اپنے ہم وطنوں کو آزاد، خوشحال اور باعزت و آبرومند دیکھنا چاہتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جیلوں میں جب سیاسی قیدیوں کو ناجائز طور پر مشکلات و مصائب کا شکار بنایا جاتا تھا تو اس کے خلاف وہ اپنی آواز بلند کرتے اور اپنے ساتھیوں کی مشکلات کو کم کرانے کے لئے جدوجہد کرتے تھے جس کے نتیجے میں جیلوں کے اندر بہت ساری اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔ غرض ان کی سادہ مگر پرعزم زندگی ہمارے لئے مشعل راہ تھی جس سے ہم کو تحریک آزادی کے دوران بڑی حد تک سہارا ملا کرتا تھا۔ ان کو دیکھ کر جیلوں میں ہماری اہمیت بڑھ جاتی تھی۔ اور جیل کے دن سکون کے ساتھ کاٹنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ اگرچہ آج سردار صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ لیکن وطن کی جدوجہد آزادی کے دوران ان کے عظیم کارنامے ان کی تقریریں ان کے خطبات اور تصانیف روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ میری دعا ہے کہ باری تعالیٰ مرحوم کی روح کو تسکین بخشے۔

پنڈت کشپ بندھو

پہلا باغی

غالباً سنہ ۱۹۳۰ء کی گرمیوں کے ایام تھے میں لاہور میں مقیم تھا کہ ایک کشمیری دوست نے مجھے مطلع کیا کہ سردار بدھ سنگھ کو مہاراجہ کی حکومت نے گرفتار کر کے باہو کے قلعہ میں قید کر لیا ہے۔ اس طرح میں نے سردار جی بدھ سنگھ جی کا نام پہلی بار سنا جب میں نے اس دوست سے سردار صاحب کے متعلق تفصیلات دریافت کیں۔ تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ ریاست میں وزیر وزارت کے عہدے پر فائز تھے لیکن حکومت کے مظالم دیکھ کر انہوں نے نوکری سے استعفیٰ دیا ہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے انکی گرفتاری کے احکامات صادر کئے۔ یہ وہ دن تھے جب لاہور میں کشمیر لیبر بورڈ کی تنظیم قائم ہو چکی تھی۔ اور اس تنظیم کے تحت ہندوستان میں مزدوری کے لئے سردیوں کے دنوں میں کشمیر سے آنے والے کشمیریوں کو منظم کیا جاتا تھا۔ سردار صاحب کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی میں نے "لیبر بورڈ" کی ایک میٹنگ میں اس گرفتاری کے خلاف پروٹسٹ کیا۔ اس وقت کشمیر لیبر بورڈ سارے ہندوستان میں واحد تنظیم تھی جو حکومت کشمیر کے مظالم کے خلاف ہندوستان بھر آواز بلند کرتی تھی۔ علاوہ ازیں "آزاد" پریس اور "آزاد" پمفلٹ فارم کا سلسلہ کرتی تھی۔ شری موتی لال نہرو کو اس بورڈ کی سرپرستی حاصل تھی۔ سنہ ۱۹۳۲ء کے ابتدائی مہینے تھے میں کشمیر میں ہی تھا۔ ایک روز مجھے کسی نے اطلاع دی کہ سردار بدھ سنگھ جی آپ سے ملنے آئے ہیں۔ سردار صاحب کا نام

سنتے ہی میں انکی پذیرائی کیلئے اپنی رہائش گاہ کی دوسری منزل سے نیچے آیا تو دیکھا ایک کھدر پوش آنگن میں کھڑا ہے میں ان سے بغلگیر ہو گیا اس طرح سے یہ میری پہلی ملاقات تھی ہم کشمیر کے ماضی و حال، اسکی جغرافیائی پوزیشن اور جموں و کشمیر ادغام کی موجودہ وحدت پر بات چیت کرتے رہے سردار صاحب کی یہ زبردست خواہش تھی کہ کشمیر کے ہندو اور مسلمان کی دو الگ الگ تنظیموں کے بجائے ایک ہی نیشنل آرگنائزیشن ہونی چاہئے جب انہیں معلوم ہوا کہ میں خود اس ایک تنظیم کیلئے کوشاں ہوں تو انہیں اطمینان ہوا۔ اس کے بعد ہم ایک ہی قومی تنظیم کے قیام کیلئے کافی عرصہ کام کرتے رہے۔ پورے چھ سال بعد نیشنل کانفرنس کا وجود عمل میں آیا جس تنظیم کے لئے درجنوں ہندو اور مسلمان کارکن سال ہا سال تک خاموشی سے کام کرتے آئے تھے آخر وہ تنظیم ریاست کشمیر کے سیاسی مطلع پر نمودار ہوئی لیکن نیشنل کانفرنس کا وجود عمل میں آنے کے صرف چند گھنٹوں کے اندر حکومت کشمیر نے اس تنظیم سے وابستہ کارکنوں کو گرفتار کیا۔ شیخ محمد عبداللہ، سردار بدھ سنگھ، غلام محمد صادق، مولانا محمد سعید مسعودی اور مجھے گرفتار کر کے چھ چھ مہینے کی قید کی سزا سنا کر ادھمپور جیل میں مقید کیا گیا۔ مرزا محمد افضل بیگ کو دو مختلف مقدموں پر نو مہینے کی سزا سنائی گئی۔ پنڈت جیا لال کلم اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کو چھ چھ مہینے کی سزا سنا کر میرپور جیل بھیج دیا گیا۔ اس طرح نیشنل کانفرنس کے صف اول کے کارکنوں کو گرفتار کر کے وادی کشمیر کے جیلوں میں بھیج دیا گیا۔ اور دوسرے کارکنوں کو سرینگر کے سنٹرل جیل اور دوسرے مقامی جیلخانوں میں رکھا گیا۔ اور ادھمپور میں کچھ دن رکھ کر ہمیں جموں کے مختلف جیلوں میں منتقل کیا گیا۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے قیام کے ساتھ ہی سیاسی طور اس

ملک کے چند مسلمان سکھ کارکن ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ جموں میں یہ تحریک نہ صرف دھیمی تھی بلکہ وہاں تحریک کے خلاف زبردست مخالفت تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جموں کے سیاسی کارکن بھی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔

جاگیر چنہنی اور سردار بدھ سنگھ

یوں تو ساری ریاست جموں و کشمیر میں شخصی راج کے مظالم کا دور دورہ تھا۔ لیکن چنہنی جاگیر میں یہ مظالم بھیانک صورت اختیار کر چکے تھے چنہنی کا راجہ حکمران راجہ کا رشتہ دار تھا اور اس رشتہ داری کی وجہ سے چنہنی جاگیر میں سارے گاؤں اس کی جاگیر میں شامل تھے اور وہ راجہ کہلاتا تھا۔ اس جاگیر کی زمین سارے جنگلات اور ساری دھرتی اس کی خود مختار سلطنت تھی اور یہاں کے بسنے والے اس جاگیر کے غلام تھے۔ ان لوگوں کی اس جاگیردارانہ غلامی کے خلاف نیشنل کانفرنس نے زوردار آواز بلند کی اور اس جاگیرشاہی کے خلاف تحریک کی قیادت عملاً سردار بدھ سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ جیسا کہ میں نے اوپر تذکرہ کیا کہ جموں میں نیشنل کانفرنس کی مخالفت تھی جموں کے مسلمان مجموعی طور مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے خلاف تھے۔ اور جموں کے چند مجموعی طور نیشنل کانفرنس کو جموں کے مہاراجہ اور ہندوؤں کے خلاف تحریک سمجھتے تھے۔ نیشنل کانفرنس کے ابتدائی دور میں اگرچہ وہاں کے خاص خاص ہندو کارکن محض خاموش تھے لیکن چنہنی جاگیر میں حالات اس کے برعکس تھے وہاں کارکنوں کی ایک خاصی اچھی جماعت تھی اس جماعت میں کچھ عورتیں بھی شامل تھیں کشمیر سے ہم بھی وہاں جاتے تھے لیکن سردار صاحب اس تحریک کے روح رواں تھے وہ چنہنی کے کارکنوں کو حوصلہ

دیتے ان کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاتے۔ غرض اُن کی قیادت کرنے کے لئے سردار صاحب کی قیادت اس جاگیر کے لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہوئی۔ اس کے بعد کوئٹ کشمیر تحریک میں جب ہم گرفتار کئے گئے تو چیدہ چیدہ کارکنوں کو کشمیر سے گرفتار کر کے جموں اور جموں سے اودھمپور لایا گیا وہاں سے ہم تبدیل کئے گئے۔ سردار صاحب، خواجہ غلام نبی صاحب ([illegible] جی) اور مجھے ریاسی جیل بھیجا گیا۔ ہم تینوں وہاں تک جنگ چھ مہینے اکٹھے رہے اور پھر جیسے بعد وہاں منتقل کیا گیا اور سردار بدھ سنگھ کو جموں جیل بھیج دیا گیا۔ کوئٹ کشمیر تحریک ہندوستان کی تقسیم اور آزادی کے ساتھ ہی ختم ہو گئی اور ساتھ ہی ریاست میں شخصی راج کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد جن لوگوں نے نیشنل کانفرنس کو منظم کیا تھا۔ وہ ملک کے حاکم بن گئے۔ سردار بدھ سنگھ کو بھی وزارت میں شامل کیا گیا۔ اُن کے علاوہ دوسرے ساتھی بھی ایڈمنسٹریشن چلانے میں بٹ گئے۔

۱۹۵۳ء میں نیشنل کانفرنس کے اتحاد میں ایک اور انقلاب آگیا جن لوگوں نے اپنی ساری جوانی ملک کی آزادی کی جدوجہد اور قید و بند کی صعوبتوں میں گزاری تھی۔ ملک کے آزاد ہونے کے بعد ان میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا آخرکار کچھ ساتھی اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو قید و بند میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے جن میں بھی اُن کے چند ساتھیوں ہی شامل تھے جن کو قید کیا گیا، چار سال کے بعد رہا کیا گیا۔ رہائی کے بعد یہاں چلا گیا۔ ایک شیخ کو پھر بارہ برس کے لئے جیل ہو گئی۔ [illegible] جانب جا نکلا تو دوسری طرف سے سردار صاحب آ رہے تھے۔ غالباً کچھ سال کے بعد ہم ایک دوسرے سے ملے۔ اُن دنوں سردار صاحب پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔

سردار صاحب مجھ سے بغلگیر ہوئے اس بغلگیری کی محبت کی گرمی، دوستی کی شیرینی اور خلوص کی ساری حلاوت نے میرے جسم اور دل کو گرما دیا۔ میں نے دیکھا کہ سردار صاحب کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے موتی کے دانے نمودار ہوئے خیر و عافیت پوچھ کر سردار صاحب اپنے کوارٹر کی طرف واپس لوٹے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ چائے اور پھل سے مہمان کی خاطر تواضع کرنا سردار صاحب کا معمول تھا۔ گھنٹہ بھر ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور رخصت ہو گئے اور یہ ہماری آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

آخر ایک صبح کو میں نے یہ المناک خبر سنی کہ سردار صاحب اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس طرح کشمیر کے شخصی نظام کا پہلا باغی، نیشنل کانفرنس کے بانیوں میں سے ایک مجاہد، ایک بے باک انسان ایک شریف مجسم اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے چل بسا۔ اس طرح کتنے ہی زندگی کے ساتھی ہم سے رخصت ہو گئے ؎

اے عمر رفتہ کہہ دے یارانِ رفتگاں سے
بچھڑے ہوئے تمہارے تم کو پکارتے ہیں

جی۔ ایم۔ عراقی [illegible]

سردار بدھ سنگھ ـــ ایک تاثر

سردار بدھ سنگھ جی مرحوم تحریک آزادی ریاست جموں و کشمیر کے ایسے قوم پرست، مخلص، بےلالچ، کھدر پوش، ملنسار، با اخلاق سادہ وضع اور شریف الطبع شخص تھے جن کی آجکل بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ جب ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو جس کے تحت صدیوں کی غلامی کے بعد جناب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں کاروانِ آزادی رواں ہوا، نیشنل کانفرنس میں اس غرض کیلئے تبدیل کیا گیا۔ تاکہ اس کے دروازے ریاست کے تمام عوام کے لئے بلا امتیاز مذہب ملت کھول دئے جائیں تو سردار صاحب پہلے رہنما تھے جنہوں نے اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے اعلان کیا کہ "پرماتما نے آج میری دعائیں قبول کیں۔ اور اب وقت آیا ہے کہ ہم سب مل کر یہاں کے شخصی نظام جس نے لاکھوں دُکھی عوام کا خون چوسا ہے کا خاتمہ کر کے اس جنت بے نظیر میں ایک ایسا ذمہ دارانہ نظام قائم کریں جسمیں غریب جنتا کیلئے دوائی، روٹی، کپڑا، تعلیم اور جھونپڑی مہیا ہو۔"

سردار صاحب لباس نشست و برخاست، کھانے اور رہن سہن کے سلسلے میں اس قدر سادہ وضع تھے کہ انہیں تیاگی یا مہاتما کے نام سے پکارنا بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ حکومت اور تنظیم میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی فقیرانہ طرزِ زندگی کو ہمیشہ قائم رکھی۔ میرے پاس

HARDAYAL PUBLIC LIBRARY, DELHI
Acc. No. 15497 — 1952

ان کی ایک اہم تقریر کی روئیداد موجود ہے جس کو میں ذیل میں درج کرکے اُن کے تئیں اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہوں: "جس ملک کی رعایا کو پوری خوراک صاف لباس اور جھونپڑی نصیب نہ ہو اور جس قوم کے افراد سے بغیر معاوضہ کے بیگار یعنی جبری مزدوری لی جاتی ہو۔ جس ریاست میں جبر و ظلم، بے انصافی، رشوت ستانی، بیکاری، جہالت بیماری عام ہو اور ڈاکٹر اور حکیم کی دوا بھی میسر نہ ہوں اور بھاری لگان اور قرضہ کی وجہ سے پیدائشی کمزوری، بیماری، جہالت، غلامی، پانچ عظیم خطرناک بیماریوں میں مبتلا دکھ و عذاب برداشت کر رہی ہو۔ آخر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ملک کا خصم گوسائیں کون ہے؟ اس کا کوئی ذمہ دار بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ کس کی رعایا ہے؟ اس کی مالی حالت، وسعت، ذرائع آمدنی اور قدرتی وسائل کیسے ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ ریاست کشمیر کی آمدنی ڈھائی کروڑ روپیہ ہے۔ اس کے ذرائع آمدنی ماسوائے جنگلات اور ریشم کے جو قریباً ایک چوتھائی ہے باقی سب رعایا کی جیب سے ٹھگی اور جبراً پیدا کئے جاتے ہیں۔ جس ملک میں دُنیا کے کونے کونے سے سیاح سیر و تفریح اور خوشی حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں اور جس ملک کی دستکاریاں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ جس ملک کے حسن آبشاروں اور مرغزاروں پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں، وہاں کی رعایا غربت، دکھ اور ذلت آمیز نقشہ کیوں پیش کر رہی ہے جس ملک کو جنت بے نظیر ایک دُنیا کے لوگوں کو سیر و شکار، تفریح، عیش و نشاط کے بازار میں دعوت دیتا ہے لیکن یہاں کی رعایا دوزخ میں پڑی تڑپ رہی ہے اور آئے دن اس کا خون نچوڑا جاتا ہے۔ معہذا ایسی کیا

جابجا کہ یہاں کوئی والی وارث نہیں ہے۔ مگر نہیں یہاں والئے ملک ہے جو آزاد ممالک کی سیر کر چکا ہے، تعلیم یافتہ ہے اور دولت و سامان عیش و عشرت کے لحاظ سے کسی بڑے سے بڑے رئیس سے کم نہیں اور اُس نے اپنی مرضی کی گورنمنٹ بھی بنا رکھی ہے۔ دفتروں میں کام ہو رہا ہے۔ ہزاروں ملازمین کا عملہ ہے فوج ہے پولیس ہے عدالتیں ہیں اور اسمبلی بھی ہے جس کا نام پرجا سبھا رکھا گیا ہے۔ اس میں رعایا کے چند منتخب نمائندے نمائشی طور رکھے گئے ہیں۔ ایک آئین بھی ہے جس کی رُو سے کُل اختیارات والئے ملک کو حاصل ہیں۔ مگر عجیب کچھ کاغذی ہے۔ نمائش ہے اور ایک ڈھونگ ہے عملی طور پر رعایا کی بہتری، بہبودی، ذمہ داری اور جواب دہی کا نام و نشان ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رعایا کی حالت دردناک ہے۔ کہنے کو یہ گورنمنٹ ہے مگر حقیقت میں یہ ایک واحد دماغ کی حکومت ہے۔ اس غیر ذمہ دار گورنمنٹ نے کاغذی طور پر آئین کی کتاب میں کُل اختیارات والئے ملک کے ہاتھ میں دئے ہیں مگر یہ خود حکمران خاندان پالیسی کے زیر اثر ہر طرح سے مجاز و مختار ہے اور اس سے قطعاً کوئی پوچھنے والا نہیں —— اب دیکھنا یہ ہے کہ جب حالت یہ ہو تو کیا کیا جائے اس کا کیا علاج ہے؟ اس کا واحد علاج ذمہ دار گورنمنٹ کا قیام ہے جس کے لئے ہم سب کو بلا امتیاز کفن بردوش ہو کر میدان عمل میں کود پڑنا چاہیئے۔" وغیرہ وغیرہ

(یہ تقریر مرحوم سردار صاحب نے ۱۳ جولائی ۱۹۴۳ء کو کی تھی۔ تقریر تو ویسے بہت طویل ہے لیکن میں نے اس کا یہ کچھ حصہ یہاں پر نقل کیا ہے۔

صدرالدین مجاہدؔ

قومی یک جہتی کا نقیب

مجھے وہ زمانہ یاد آ رہا ہے جب مہاتما بدھ سنگھ تیاگی جی ہماری تحریک آزادی کے ایک سالار کارواں کی حیثیت سے ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ میں ان کو ۱۹۳۶ء سے جانتا ہوں جب مسلم کانفرنس شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں جدوجہد کے مراحل میں تھی۔ سردار صاحب کے دل میں ابتداء سے ہی یہ خواہش تھی کہ اس ریاست کے مظلوم اور غریب عوام کو غلامی کے پنجے سے آزاد کرایا جائے اور انہیں وہ مقام دلایا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ سے ملے۔ ان سے تبادلۂ خیال کیا۔ وہ قبلہ مولانا مسعودی، جناب بیگ صاحب، مرحوم بخشی غلام محمد اور مرحوم صادق صاحب سے بھی ملے۔ ان رہنماؤں نے بھی بدھ سنگھ جی کے خیالات شیخ صاحب تک پہنچا دئے۔ سردار صاحب چاہتے تھے کہ تمام فرقے ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر ریاست کو مطلق العنانیت ظلم اور تشدد سے آزاد کریں۔ لیکن اس وقت چونکہ تحریک آزادی مسلم کانفرنس کے نام سے چل رہی تھی۔ اس لئے غیر مسلموں کو اس تنظیم میں شرکت کرنے میں کچھ مشکلات درپیش تھیں۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں جب کہ مسلم کانفرنس ابھی قائم ہی تھی ایک قومی مطالبہ "نیشنل ڈیمانڈ" کے نام سے مرتب کیا گیا جس پر پہلی بار ہندو، سکھ اور مسلم رہنماؤں اور کارکنوں نے دستخط کئے

جب یہ یادداشت وزیر اعظم کی وساطت سے مہاراجہ کو پیش کی گئی تو اس وقت پہلی بار ہندو، سکھ اور مسلمان رہنما گرفتار کئے گئے ان میں سردار بدھ سنگھ صاحب بھی شامل تھے۔ یہی وقت تھا جب حقیقتاً نیشنل کانفرنس کی بنیاد پڑی۔ رہائی عمل میں آنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو باقاعدہ نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا۔ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے میں جو رول سردار صاحب نے ادا کیا وہ اہم اور قابل تعریف ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ سردار صاحب ان رہنماؤں میں سے ہیں جنہوں نے نیشنل کانفرنس کو قائم کرنے میں بنیادی رول ادا کیا۔

جہاں تک ان کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے میں نے کئی بار جیل کے اندر اور باہر یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ سیاست میں کیسے آئے اور ان کی ابتدائی زندگی کیسے گذری۔ آخر میں نے ان سے پوچھا اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے اخبار "خالد" اور آج کے "خالد جدید" جو گذشتہ ۴۱ سال سے یہاں شائع ہو رہا ہے کے لئے انٹرویو بھی حاصل کیا۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد محکمہ مال میں ملازم ہو گئے اور قلیل عرصے میں ایمانداری اور فرض شناسی کے پیشِ نظر وزیر وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ غریبوں پر بلاوجہ ظلم اور تشدد ہو رہا ہے۔ آپ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ اس زمانے میں وزیر وزارت کا عہدہ آج کل کے بڑے وزیروں سے بھی اہم ہوتا تھا۔ لیکن سردار صاحب نے اس عہدے کو ٹھکرا دیا۔ اور لوگوں کی خدمت کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑے۔ سردار صاحب مہاراجہ ہری سنگھ جی کے دوستوں میں سے تھے بلکہ وہ اکثر بار ان کے ساتھ بیڈمنٹن جیسے کھیل کھیلتے

تھے۔ رتنے قریب رہنے کے باوجود بھی سردار صاحب نے بلا عہدے سے
استعفیٰ دیدیا۔ اور لوگوں کی مشکلات اور انکے مصائب کو اعلیٰ حکام تک پہنچاتے
رہے تاکہ شکایات کا انسداد ہو سکے۔ سردار بدھ سنگھ جی کی زندگی
ہماری تحریک حریت کا ایک شاندار باب ہے اور رہتی دنیا تک ان کی یادگار
کشمیریوں میں رہیگی۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور دیگر کارکن و عوام اُن
کی کافی عزت و احترام کرتے تھے۔ وہ ایک بلند شخصیت کے مالک تھے
جب وہ عوام پر ہو رہے ظلم کے خلاف بولتے تھے۔ ایک نیا ہی جذبہ اور
ولولہ محسوس ہوتا تھا۔ غریبوں کی بے بسی اور ظلم کے خلاف وہ جو تقریریں
دور دور تک پہنچ گئے۔ جن میں میرے پاس بھی کچھ کتابچے موجود ہیں۔ وہ
براہ راست حکمرانوں اور وزراء کے ساتھ خط و کتابت کرتے تھے۔ جن میں لوگوں
کی غربت اور مظلومیت کا رونا روتے تھے۔ سردار صاحب جب بھی
کبھی کہتے تھے کہ کوئی بھی کارکن ساتھی چاہے وہ کسی بھی فرقے سے تعلق
رکھتا تھا مصیبت میں پھنسا ہے تو وہ ان لوگوں کے گھر جاتے۔ غم کے
وقت شریک غم رہنا ثابت کرتا تھا کہ ان کے دل میں اپنے ساتھیوں سے کتنی
کتنی محبت ہے۔

سردار صاحب نیشنل کانفرنس کے صدر بھی تھے اور اُن کی صدارت
کے وقت ہی تحریک نے ... پیشہ ور ... "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے
دوران سردار صاحب کو گرفتار کیا گیا۔ کچھ ساتھیوں جن میں شیر کشمیر شیخ
محمد عبداللہ، بیگ صاحب، کشپ بندھو، پنڈت جیا لال، ...
مولانا قاسم شاہ صادق، خواجہ غلام محمد (شہید بل) ڈی پی دھر اور ... صدر
الدین مجاہد شامل تھے کو بادامی باغ چھاؤنی میں نظر بند کیا گیا۔ کچھ عرصہ

وہاں رہنے کے بعد فیصلہ ہوا کہ شیخ صاحب کے خلاف مقدمہ چلایا جائیگا
اور حکومت نے اعلیٰ پیمانے پر فیصلہ لیا کہ ہمیں چھاؤنی سے نکالا جائے مجھے
اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت ہمیں چھاؤنی سے نکال کر سامنے ہی قطار میں
کھڑا کیا گیا تو سرکار کا حکم تھا کہ ہمیں ہتھکڑیاں پہنا کر گاڑی میں سوار کیا جائے۔
شری کشیپ بندھو نے جن کا پہلا نمبر تھا اپنا دایاں ہاتھ پیش کیا
اور فوجیوں نے ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ اس کے بعد دوسرا نمبر سردار بدھ سنگھ
جی کا تھا انہوں نے ہتھکڑی لگانے کے خلاف زبردست احتجاج کیا
اور فوجی کمانڈر کو کہا کہ وہ جا کر مہاراجہ اور وزیر اعظم رام چند کاک سے کہہ
دے کہ ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ چور نہیں ہیں۔ ہم نے ڈاکہ نہیں مارا ہے ہتھکڑیاں
ہمارے لئے نہیں ہیں۔ سردار صاحب کا غصہ دیکھ کر وہ براہ راست وزیر اعظم
رام چند کاک سے ٹیلیفون پر ملا اور ان کو سب باتیں بتا دیں۔ چنانچہ اُن کی
ہدایت پر کسی نظر بند کو ہتھکڑیاں نہیں پہنائی گئیں اور ہمیں جموں لیجایا
گیا۔ کچھ دن وہاں رہنے کے بعد ہمیں اودھمپور جیل میں منتقل کیا گیا۔ مجھے
اودھمپور جیل کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ میری عادت تھی کہ میں ہر روز جیل
میں ڈائری لکھتا تھا۔ سردار صاحب بیگ صاحب کو کہتے تھے کہ مجھے
محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے مجاہد ایک اخلاقی قیدی ہے کیونکہ یہ جیل میں
لکھتا رہتا ہے۔ میں کبھی سگریٹ پیتا تھا یا مٹی اٹھا کر چلم بناتا تھا تو سردار
صاحب مجھے ڈانٹتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ایک اخلاقی قیدی کے طریقے
نہیں کیونکہ تم سگریٹ پیتے ہو۔ سردار صاحب میرے اور دیگر ساتھیوں کے بالکل
برخلاف تھے کہ ہمیں گھر خط وغیرہ نہیں لکھنا چاہیئے۔ ان کا اصول یہ تھا
کہ جب تک رہا نہیں ہوتے تب تک خط نہیں لکھنا چاہیئے۔ ایک دفعہ ہمیں

ہماری استدعا پر اودھمپور جیل میں کچھ پوسٹ کارڈ ملے تاکہ گھر والوں کو یہ خبر ہوسکے کہ ہمیں بارہمولہ جیل سے جموں اور جموں سے اودھمپور منتقل کیا گیا ہے۔ پہلے سردار صاحب نے پوسٹ کارڈ قبول کرنے سے انکار کیا لیکن جب بیگ صاحب نے ان کو اس دوست کو شکریہ کی دو سطریں لکھنے کے لئے کہا جس نے ان کو کپڑے بھیجے تھے تو سردار صاحب نے پوسٹ کارڈ پر لکھنا شروع کیا جب خط لکھدیا تو بیگ صاحب نے کہا کہ آپ نے خط نہ لکھنے کا اصول بنایا تھا۔ پھر آپ نے یہ اصول کیوں توڑا؟ سردار صاحب نے غصے میں آکر یہ کارڈ پھاڑ دیا۔ اور اس کے ٹکڑے زمین پر پھینک دئے میں نے چپکے سے وہ ٹکڑے اُٹھا کر اپنی جیب میں ڈالدئے۔ ایک گھنٹے کے بعد جب جیل کا داروغہ آیا تو اُس نے کہا پوسٹ کارڈ دیجئے۔ کیونکہ ان کو درج کرنا ہے۔ سب نے اپنے اپنے کارڈ دیئے تاکہ سنسر ہو کر آگے بھیج دیئے جائیں۔ جب سردار صاحب سے کارڈ مانگا گیا تو انہوں نے داروغہ کو بتایا کہ میں نے وہ پھاڑ دیا۔ ثبوت مانگنے پر انہوں نے اس کو بتایا کہ میرے پاس اس کے ٹکڑے موجود ہیں جب زمین پر اِدھر اُدھر ڈھونڈنے کے بعد وہ یہ ٹکڑے پانے میں کامیاب نہ ہوئے تو سردار صاحب پر داروغہ نے الزام لگایا کہ آپ نے کارڈ اسمگل کروا کے روانہ کیا ہے۔ یہ سنکر سردار صاحب غصے سے لال پیلے ہوگئے۔ ان کا غصہ دیکھکر میں نے کچھ ڈر سا محسوس کیا اور میں نے وہ ٹکڑے اُن کے ہاتھ میں تھما دئے۔

جیل قواعد کے مطابق جیل کے احاطے میں داخل ہوتے ہی جیب کی تلاشی لی جاتی تھی تاکہ ساری نقدی اور کاغذات جیل حکام کے حوالے ہوسکیں جیل قوانین کے مطابق قیدی جیل آفیسر کے ذریعہ اپنی ذاتی

ضروریات کی چیزیں منگا سکتے تھے بشرطیکہ ان چیزوں کے منگانے میں کوئی قانونی پابندی نہ ہو۔ چنانچہ سردار صاحب کی جیب میں دو ڈھائی سو روپے تھے لیکن انہوں نے اس میں سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا تھا۔ جب ہم سب ساتھیوں کے پیسے خرچ ہوئے تو ایک روز ہم نے سوچا کہ اب سردار صاحب کے پیسے خرچ کئے جائیں۔ اس کے بعد روز کوئی نہ کوئی چیز خصوصاً سگریٹ سردار صاحب کے نام پر منگوانے شروع کئے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۶ء کا ہے۔ ایک روز سردار صاحب کو تولیہ اور چند چیزوں کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے مجھے جیل کے حکام کو یہ چیزیں لانے کے لئے لکھا۔ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور انکے دستخط لینے کے بعد اپنے دستخط بھی ثبت کئے۔ کیونکہ میں وارڈ ۱۴ کا انچارج تھا۔ جب یہ پرچہ اکونٹنٹ کے پاس پہنچ گیا تو اُس نے یہ لکھکر بھیجا کہ ان کے یہاں صرف تیس پینتیس روپے ہیں۔ اور ان میں دو تین چیزیں لانے کی گنجائش نہیں ہے۔ واپس جیل سپرنٹنڈنٹ کو بھیجا۔ جب یہ بات سردار صاحب تک پہنچی، تو وہ بہت ناراض ہوگئے اور جیل والوں سے حساب طلب کیا۔ جب حساب ملاحظہ کیا تو معلوم ہوا کہ زیادہ خرچہ سگریٹوں پر ہوا ہے۔ لیکن جب انہیں اصلیت معلوم ہوئی تو ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اگر آپ کی ضرورتیں پوری ہوئی ہیں تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے

۱۹۴۷ء میں جب وزیرِ اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں پہلی عوامی حکومت بنی تو سردار صاحب کو براڈکاسٹنگ اور انفارمیشن منسٹر بنایا گیا۔ سردار صاحب جب منسٹر کی حیثیت میں کسی گاؤں میں جاتے تھے تو وہاں وہ کرسی پر بیٹھنے کے بجائے زمینداروں اور گاؤں والوں کیساتھ بالکل اسی طرح بیٹھتے تھے۔ جیسے وہ انہی میں سے ایک ہوں۔ میں ان دونوں

ریڈیو اور بعد میں فیلڈ پبلسٹی میں کام کرتا تھا چونکہ محکمہ اُن کے ماتحت تھا اس لئے اکثر ان کے ساتھ دوروں پر جانے کا موقع ملا۔

سردار بدھ سنگھ تیاگی ایک بہترین رہنما ایک حق گو اور خدا پرست متقی تھے ان کا اکثر وقت خدا کی یاد میں گزرتا تھا۔ وہ جیل میں روزانہ ذکر کرتے تھے اور کئی گھنٹے سانس بند کرکے خدا کی یاد میں وقت گزارتے تھے۔ اُن کی زندگی ایک نمونہ تھی میں آج محسوس کر رہا ہوں کہ سردار صاحب کو بہت مدت کیلئے جینا چاہئے تھا۔ لیکن قانونِ قدرت اٹل ہے اور انہیں وقت پر نہ مٹنے والی دنیا میں جانا پڑا۔ انہوں نے وطن کو آزاد کرانے کے لئے فرقہ وارانہ اتفاق و اتحاد کو مضبوط بنانے کے لئے جو قربانیاں دی ہیں۔ اور جو کچھ کیا ہے وہ ہماری ریاست ہی کا نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی تاریخ کا شاندار باب ہے۔

محمد یوسف مسعودی

ایک تاریخ ساز شخصیت

میرپور کی سرزمین نے جن اولوالعزم مجاہدوں کو جنم دیا اُن میں مجاہدِ ملت راجہ محمد اکبر خان صاحب اور تیاگ مورتی جناب بدھ سنگھ جی سرفہرست ہیں۔ یہ دونوں رہنما تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے صفِ اول کے رہنما رہ چکے ہیں ان کی بے لوث قربانیوں اور مجاہدانہ رول کو تاریخِ حریتِ کشمیر میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔

جناب بدھ سنگھ جی ایک ایسے نازک اور صبر آزما دور میں مطلعِ سیاست پر طلوع ہوئے جب کشمیر کے مظلوم و محکوم عوام مطلق العنانیت کی بے رحم چکی میں پسے جا رہے تھے۔ ریاست کے طول و عرض میں جبر و استبداد کا دور دورہ تھا۔ خدا کی زمین مخلوقِ خدا پر تنگ کی جا رہی تھی۔ خوف و وحشت کی فضا میں انسان پر انسان کی زبردستی زندگی کا سہارا بن چکا تھا۔ اس وحشت زدہ ماحول میں ڈوگرہ بربریت کے خلاف لب کشائی کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن حکومت کے اعلیٰ ایوانوں میں رہتے ہوئے بھی ایک حق پرست اور غریب پرور شخصیت دبے کچلے عوام کے دلوں کی دھڑکنوں کو سُن رہی تھی اور وہ جناب بدھ سنگھ جی تھے جو زیادہ دیر تک اس روح فرسا کیفیت کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے عیش و عشرت کی زندگی چھوڑ کر گرفتاریوں سے بےخوف ہو کر مشکلات و

مصائب کو گلے لگایا اور اپنے وجود کو زندانوں کی زینت بنایا۔ شخصی راج کے
دوران وہ وزیر وزارت (ڈپٹی کمشنر) کے عہدے پر فائز تھے۔ جبکہ حکومت
کے معمولی نوکر کو لوگوں کے قضا و قدر کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن اقتدار
و اختیار کو لات مار کر جس جرأت مندانہ اور بے جگری سے انہوں نے صدائے
حق بلند کی اُس کی مثال ملنا اس پُرآشوب زمانے میں اگر ناممکن نہیں تو مشکل
ضرور ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً حکومت کو عوامی مسائل و مشکلات کی جانب توجہ
مبذول کراتے رہے۔ جب انہوں نے بیگاریوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ من کے سرکاری بوجھ
اُٹھائے، بانہال کی چڑھائی چڑھتے دیکھا۔ جن کے کانوں اور ناک سے خون
بہہ رہا تھا۔ اس دلدوز واقعہ سے وہ کافی متاثر ہوئے۔ اُن کے دردمند دل نے
ان مظلوم انسانوں کے درد کو محسوس کیا۔ چنانچہ اس دردناک کیفیت کو انہوں
نے بذریعہ تحریر و تقریر عوام تک پہنچایا۔ مہاراجہ اور اُس کے مشیروں کو قوم
کی مفلسی اور زبوں حالی، حکام کی رشوت ستانی، لوٹ کھسوٹ، رعایا
پر سختی اور بیگاری کے بارے میں "کسان کی داستان اور انصاف کی تلاش"
کے نام سے دو کتابچے تحریر کر کے روانہ کئے۔ اس باغیانہ تحریر کی پاداش میں
ان کو پہلی بار قلعہ باہو میں نظر بند کیا گیا۔ لیکن اُن کے پائے استقلال میں
ذرہ بھر بھی جنبش نہیں آئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قید و بند کی اذیتیں
اور صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ رہائی کے بعد انہوں نے اپنی تحریک کو
شد و مد کے ساتھ جاری رکھا۔ ۱۹۳۱ء میں کیبنٹ کے نام ایک طویل خط
"درد دل" کے نام سے شائع کیا۔ جس میں صاف و صریح الفاظ میں شخصی راج
کی بے ضابطگیوں اور سختیوں کا خاکہ کھینچا گیا۔ سب سے زیادہ زور پبلک
پلیٹ فارم کی آزادی اور آزاد اسمبلی کے قیام پر دیا گیا تھا۔ سردار صاحب

نے نہایت بے باکی سے یہ حقیقت ان الفاظ میں واضح کی کہ "قبل اس کے کہ
پانی سر سے گذر جائے رعایا کے مطالبات پورے کئے جائیں۔"

۱۹۳۴ء میں پرجا سبھا (اسمبلی) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بدھ سنگھ
جی اس کے ممبر منتخب ہوئے۔ پرجا سبھا میں انہوں نے محنت کشوں اور کسانوں
کے نمائندوں پر مشتمل ایک گروپ بنایا۔ جسے زمینداروں کے گروپ سے کچلا
جاتا تھا۔ پرجا سبھا کے اجلاس میں وہ اکثر حکومت کی غلط پالیسیوں اور
جبر و زیادتیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔ اُسی زمانے میں
تحریک آزادی مسلم کانفرنس کی تنظیم کے زیر قیادت چلائی جا رہی تھی۔ مسلم
کانفرنس کے نمائندے اسمبلی میں عوامی مطالبے پیش کرتے تھے تو بدھ سنگھ
جی ہر نازک مرحلے پر ممبران مسلم کانفرنس کا بھرپور ساتھ دیتے رہے۔ کسانوں
سے متعلق ایک مسودہ بل پر بحث کے دوران جب مسلم کانفرنس کے ارکان نے
ایوان سے واک آؤٹ کیا۔ تو بدھ سنگھ جی ان کے ساتھ شمولیت کرنے کی
غرض سے اُٹھے کہا جاتا ہے اس پر پنڈت امرناتھ کاک اور ٹھاکر کرتار
سنگھ نے اُن سے مسلم کانفرنسیوں کے ساتھ شمولیت کرنے کی وجہ دریافت
کی تو سردار صاحب نے برجستہ جواب دیا۔ میں اُن زندوں کے ساتھ ہوں مجھے
مُردوں سے کیا تعلق۔ آخر پرجا سبھا میں کاہچرائی کا بل پیش کیا گیا۔ لیکن
عوامی نمائندوں کی سفارشات کو نظرانداز کرتے ہوئے حکومت نے بل
واپس لیا۔ حکومت کی اس بے ضابطگی کے باعث وہ ممبرشپ سے مستعفی
ہو گئے۔

جہاں تک بدھ سنگھ جی کی قومی تحریک میں تمام فرقوں کی شمولیت
اور اس میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش اور آزادی کیلئے مشترکہ جدوجہد

نے زبردست حامی تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ اس تحریک میں ہر اُس شخص کو شامل ہو جانا چاہیئے جو مظلوم ہو، جس کا استحصال کیا گیا ہو۔ وہ اسی سلسلے میں جنگ آزادی کے سپہ سالار شیخ محمد عبداللہ اور دیگر قومی رہنماؤں سے ملے۔ وہ مسلم کانفرنس کے رول سے پہلے ہی متاثر ہو گئے تھے۔ مسلم کانفرنس ریاست کے عوام کو بلا لحاظ مذہب و ملت بحیثیت مجموعی غلامی، جہالت اور استحصال سے چھٹکارا دلانے کیلئے میدان عمل میں آئی تھی۔ مسلم کانفرنس ایک مخصوص نظام کے خلاف برسرپیکار تھی۔ جس کے پنجۂ استبداد میں ہر مذہب سے وابستہ افراد شامل تھے۔ مشترکہ مقاصد کے حصول کیلئے جناب شیخ محمد عبداللہ نے وقتاً فوقتاً غیر مسلم بھائیوں سے تعاون کی اپیل کی۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں مہاراجہ کو مسلم کانفرنس کی طرف سے جو قومی مطالبہ (National Demand) پیش کیا گیا۔ اس دستاویز پر دوسروں کے علاوہ جن غیر مسلموں نے پہلی بار دستخط کئے اُن میں مہاتما بدھ سنگھ جی بھی شامل تھے۔ اس کے بعد تمام رہنماؤں اور سردار صاحب کو بھی گرفتار کیا گیا۔ آخر ۱۹۳۹ء میں اُن کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، جب ریاست کے عوام نیشنل کانفرنس کے سرخ ہل والے جھنڈے تلے منظم ہو گئے۔ اس کے بعد وہ نیشنل کانفرنس کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن اور دو بار صدر چنے گئے۔ اس طرح قومی تحریک کو ایک نئی سمت عطا کرنے اور تحریک آزادی کا نیا باب شروع کرنے میں بدھ سنگھ جی نے ایک تاریخ ساز شخصیت کا رول ادا کیا۔

شخصی راج کے دوران ریاست میں چھوٹی چھوٹی جاگیریں تھیں جہاں کے باشندے حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کئے جاتے تھے خصوصاً جاگیر چنہینی بقول بدھ سنگھ جی ظلم و تشدد کا گھر بن چکا تھا

چنہینی کا جاگیردار مہاراجہ کا قرابت دار تھا۔ اُس نے جاگیر چنہینی میں تشدد اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ راجہ چنہینی کی بدعنوانیوں اور انسانیت کش سلوک کو متعدد بار حکومت کی نوٹس میں لایا گیا تھا۔ لیکن حالات جوں کے توں رہے۔ آخر کار نیشنل کانفرنس کے عظیم الشان تاریخی اجلاس منعقدہ سوپور میں جاگیر چنہینی کے کچھ نمائندے شامل ہوئے۔ انہوں نے راجہ چنہینی کے مظالم کی دردناک اور لرزہ خیز داستان بیان کی۔ جس سے ورکنگ کمیٹی اور رہنما کافی متاثر ہوئے اور فیصلہ کیا گیا کہ چنہینی کے بدنصیب بھائیوں کی حالت زار کا مشاہدہ کرنے کے لئے ایک ٹیم روانہ کی جائے۔ اس کے بعد یہ کٹھن کام بدھ سنگھ جی نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور سینکڑوں رضاکاروں کی معیت میں چنہینی پہنچ کر ستیہ گرہ شروع کیا۔ اور تحریر و تقاریر کے ذریعہ حکومت اور عوام کو راجہ چنہینی کے سیاہ کرتوت سے آگاہ کیا۔ اور ایک زوردار مہم جسے تحریک چنہینی کہا جاتا ہے چلائی جو اُن کی انتھک اور مسلسل کوششوں کا نتیجہ تھی۔ جس کی بدولت باشندگان چنہینی نے سُکھ کا سانس لیا۔ اس تحریک کے دوران جن لوگوں نے سرگرم حصہ لیا۔ اُن میں چنہینی ہی کے مسٹر محمد شفیع نے نمایاں رول ادا کیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب یہ سطور تحریر کی جا رہی تھیں تو خبر موصول ہوئی کہ چنہینی کا یہ مرد مجاہد چل بسا۔

میں سردار صاحب موصوف کو اُس زمانے سے جانتا ہوں جب وہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے صدر تھے۔ اس کے بعد کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران ان کو قریب سے دیکھنے اور کام کرنے کا موقع ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مطلق العنانیت کے خلاف عوامی بغاوت نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ہر شخص غلامی کے پھندے کو اُتار پھینکنے کے لئے مصروف عمل

تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جناب تایا بدھ سنگھ جی اپنی شعلہ بیانی سے عوام کا جذبۂ آزادی اُبھارنے کیلئے مذہبی بزرگوں کی عظیم زندگیوں اور تعلیمات کی یاد دلاتے تھے جو حق کیلئے باطل سے نبرد آزما ہوئے اور ہر حال میں ظلم و جبر کے خلاف آوازِ حق بلند کی۔ اس طرح سے وہ اپنی پُر جوش تقاریر سے عوام کا لہو گرماتے تھے ۱۹۳۶ء میں بغاوت پھیلانے کے الزام میں انہیں گرفتار کیا گیا۔ اور ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ دوران مقدمہ عدالت میں جس بے جگری اور جرأت سے انہوں نے شخصی راج کے جبر و استبداد کی داستان بیان کی وہ اُس دور کی اصل مستند تاریخ بھی ہے اور تفسیر بھی۔ رسوائے زمانہ بیعہ نامہ امرتسر کی مذمت کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ یہ معاہدہ نہیں کہلایا جا سکتا۔ کیونکہ دو ڈاکوؤں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس نام نہاد معاہدے کو پاؤں تلے روند ڈالیں گے۔ آخر اُن پر فردِ جرم عائد کیا گیا اور ڈیڑھ سال قید اور جرمانہ کی سزا ہو گئی۔ لیکن جناب تایا جی نے حسب معمول ضعف پیری کے باوجود ایک حقیقی مجاہد اور جانباز کی طرح اس سزا کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

قید خانوں میں بھی وہ اپنے ہم قفس ساتھیوں کے دُکھ درد اپنا ہی درد محسوس کرتے تھے۔ جب بھی کسی دوست پر سختی کی جاتی تھی یا کسی مشکل کا سامنا ہوتا، جناب تایا جی کا پیار بھرا دل بھر جاتا تھا۔ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں جب انہیں سرینگر سنٹرل جیل میں منتقل کیا گیا۔ تو یہاں مجاہدینِ آزادی پر سختیوں کے خلاف انہوں نے قبلہ حضرت مولانا محمد سعید مسعودی اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بھوک ہڑتال شروع کی۔ غرض ہر حال میں انہوں نے ناانصافی اور زیادتیوں کے خلاف اپنی آواز کو بلند کیا۔ چاہے وہ اقتدار و اختیار کے مالک رہے یا ایک قیدی کی حیثیت سے رہے۔

جناب تایا بدھ سنگھ جی درویش صفت اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ آزادی سے پہلے جب مشکلات و مصائب کا زمانہ تھا وہ نہایت صبر و سکون کے ساتھ سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اور آزادی کے بعد جب وہ وزیر بنائے گئے تو ان کے طرزِ زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ ان کا رہن سہن ایک ہی ڈگر پر قائم رہا۔ اُن کی ذات سے حاکم یا منسٹر ہونے کا گمان ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے جاگیروں کی آبادکاری اور غریبوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں جٹ گئے۔

سرکاری تقریب (منعقدہ ایمپوریم گارڈن سرینگر) میں انہوں نے جو باتیں میں راقم سے کہا تھا۔ عوام نے اس لئے صدہا سال تک زبردست قربانیاں نہیں دی تھیں کہ اُن کے نمائندے اور لیڈر آزادی کے بعد جاگیرداروں کی طرح شان و شوکت سے رہیں۔ اور سرکاری تقریبات پر زرِ کثیر صرف کریں۔ جبکہ اب بھی اکثر لوگ نانِ شبینہ کو ترس رہے ہیں۔ اور نہایت عسرت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ غرض وہ ہر حیثیت میں غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کا خیال رکھتے تھے اور اُن کی بھلائی کے لئے سوچتے تھے۔

سردار صاحب کی زندگی اور خیالات پر مذہب کے گہرے اثرات پڑے تھے۔ وہ جب بھی کسی مسئلے پر اظہار خیال کرتے تو اُن کے خیالات و احساسات سے مذہب سے اُن کی گہری وابستگی ظاہر ہو جاتی تھی۔ مذہب کے وسیع مطالعہ اور عظیم مذہبی شخصیتوں کی سیرت نے [illegible] کو ایک باوقار حاکم ہوتے ہوئے مظلوم و مجبور عوام کے دُکھ درد میں شامل ہونے کی تحریک عطا کی۔ جو اُن کے خلوص و ایثار کی زندہ و جاوید شہادت ہے اب جبکہ جناب تایا بدھ سنگھ جی ہمارے درمیان موجود نہیں

ہیں۔ لیکن اُن کی شرافت، سادگی، جذبۂ ہمدردی، حق و بیباکی کی مثالیں ان دوستوں کے ذہنوں میں محفوظ اور تازہ ہیں۔ جنہیں اُن کے ساتھ کبھی کام کرنے کا موقع ملا ہو۔ اس بزرگ رہنما کی بے مثال قربانیوں اور گرانقدر خدمات کو تاریخِ کشمیر میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ جس سے آئندہ آنے والی نسلیں فخر و عقیدت سے پڑھیں گی۔

●

بلراج پوری

تحریکِ حُریّتِ کشمیر کا بانی

سردار بدھ سنگھ جی کو جموں و کشمیر کی سیاسی تحریک کا پیش رو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے اس وقت یہاں کے جاگیردارانہ نظام کے خلاف آواز اُٹھائی، جس وقت ریاست میں کسی منظم سیاسی تنظیم کا وجود تک نہیں تھا۔ ۱۹۲۱ء میں جب مہاتما گاندھی نے کھادی استعمال کرنے کا نعرہ بلند کیا تو بدھ سنگھ جی پہلے شخص تھے جنہوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ اس کے بعد وہ قومی سطح پر اُبھرنا شروع ہوئے اور پھر ۱۹۳۲ء میں جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے صدر بنے۔

سردار بدھ سنگھ مئی ۱۸۸۹ء میں جموں کے میرپور علاقہ، جو آج کل پاکستان کے قبضہ میں ہے پیدا ہوئے۔ اُن کے والد انت رام ایک وکیل تھے۔ بدھ سنگھ نے گورنمنٹ ہائی سکول میرپور اور جہلم میں تعلیم پائی۔ وہ سولہ برس کے تھے جب اُن کی شادی سکھ گھرانے کی ایک لڑکی کماری مایا دیوی سے ہوئی۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے مسٹر ٹامباٹ نامی ایک انگریز سٹلمنٹ کمشنر کے ماتحت کیمپ کلرک کا عہدہ سنبھالا۔ مسٹر ٹامباٹ کی سادہ طرزِ زندگی نے بدھ سنگھ جی پر گہرا اثر چھوڑا۔

اٹھائیس سال کی عمر میں وہ تحصیلدار بنے۔ سردار بدھ سنگھ جی نے ملازمت کے بعد سکھ ازم قبول کیا۔ ان کے سکھ مذہب قبول کرنے کی دو بڑی

وجوہات تھیں جن میں سے ایک تو اُن کی ماں جو خود ایک سکھ گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری وجہ ہر سکھوں کے تئیں ہندوؤں کا بُرا برتاؤ۔ جس کے رد عمل کے نتیجے میں بدھ سنگھ اکالی تحریک میں شریک ہوئے۔ اکالی تحریک برطانوی حکومت کے خلاف منظم ہوئی تھی جس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا تھا اکالی تحریک میں شامل لوگ کالی پگڑیاں پہن کر سکھوں کے جتھوں کو تحریر تقریر کے ذریعہ برطانوی حکومت کے خلاف صف آراء کر رہے تھے۔

بدھ سنگھ کی عوام پروری کے آثار شروع سے ان کی زندگی کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ سرکاری ملازم ہونے کے باوجود وہ وقتاً فوقتاً اس کا اظہار عملی طور کرتے رہے۔ بحیثیت تحصیلدار اور ڈپٹی کمشنر انہوں نے مہاراجہ اُس کے اعلیٰ افسروں کی توجہ ریاست میں ہو رہی ناانصافی، رشوت خوری اور فرقیت کی طرف دلائی۔

وہ پہلے عوامی رہنما تھے جنہوں نے عوام کے لئے بنیادی اور سماجی حقوق کا مطالبہ کیا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں وہ جموں سے سرینگر آرہے تھے تو انہوں نے سفر کے دوران جگہ جگہ مزدوروں کو بیگار کرتے ہوئے پایا۔ ان بے رحم نظاروں سے متاثر ہو کر انہوں نے سرینگر کے حضوری باغ میں عوامی اجتماع سے خطاب کیا۔ یہ جلسہ ان پڑھ اور مظلوم کشمیریوں کے حق میں پہلی آواز تھی جس نے ریاستی سرکار کے ایوانوں کو ہلا کے رکھ دیا۔

سردار بدھ سنگھ ایک جرأت مند آفیسر تھے اور مروجہ نظام شاہی کے دوران جبکہ شاہی فرمان سے انحراف موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو سکتا تھا۔ انہوں نے نہایت جرأت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے کئی بار ایسی مروجہ روایات کو ماننے سے انکار کیا جن کا پاس ہر افسر

لوگوں بلکہ عوام کا بھی معمول بن چکا تھا۔ کشتواڑ میں ایام نوکری کے دوران ایک بار اُن کو ولیعہد ہری سنگھ کے اس علاقے کے مجوزہ دورے کے پیش نظر بیگار پر حاصل کئے گئے مزدوروں کے ذریعہ سڑک ٹھیک بنانے کے احکامات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے حکام کو اس مقصد کیلئے رقومات بھیجنے کو کہا۔ مجبوراً حکام کو سڑک وقت پر ٹھیک کرنے کے لئے رقومات منظور کرنا پڑیں۔ حالانکہ بعد میں بدھ سنگھ اپنے حکام کے عتاب کا شکار بن گئے۔

دوسری بار جب ہری سنگھ نے گھوڑے خریدنے کیلئے مرکبانوں کو گھوڑوں سمیت حاضر ہونے کو کہا تو بدھ سنگھ نے ان گھوڑے والوں کیلئے تین دن کی مزدوری کا مطالبہ کیا جو اس مقصد کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ عوام میں ان کی مقبولیت اور دیانت داری کی وجہ سے مہاراجہ پرتاپ سنگھ بھی اُن کی ان حرکات کو نظرانداز کرتے رہے لیکن انگریزی افسروں نے بدھ سنگھ کی ان حرکات کا سخت نوٹس لیا اور ریاستی حکومت پر اُن کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے دباؤ ڈالا۔ آخر سنہ ۱۹۲۵ء میں سردار جی خود ڈپٹی کمشنر کے اعلیٰ عہدے سے مستعفی ہوئے اس موقعہ پر مہاراجہ نے ان کیلئے خصوصی طور پر ۵۰ روپے کی پنشن مقرر کی۔

بدھ سنگھ جی سادہ اور صوفیانہ زندگی گزارتے رہے اور گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں تک آزادی کا پیغام پہنچاتے رہے۔ بدھ سنگھ جی کو ایسا اعزاز سے نوازا گیا جو اس سے پہلے ریاست کے کسی بھی باشندے کے حصے میں نہیں آئے تھے۔ ملک کے تمام سکھوں نے ان کو پانچ مقدس اشخاص (پنج پیارے) میں شامل کر کے اُن سے مرمت شدہ پنجا صاحب کے گوردوارے کا سنگ بنیاد رکھوایا۔ اس موقعہ پر مہاراجہ نے ان کیلئے خصوصی طور پر ۵۰ روپے کی پنشن مقرر کی۔

سنہ ۱۹۳۵ء سے جموں کے ڈوگروں نے تین بار ان کو ڈوگرہ سبھا کا عہدہ منتخب کیا اور آخر پہلے سنہ ۱۹۳۴ء اور پھر سنہ ۱۹۳۶ء میں ریاست کی سب سے

بڑی سیاسی تنظیم نیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء سے یہ عہدہ شیخ صاحب جیسی جلیل القدر ہستی نے ہی سنبھالا۔

بدھ سنگھ جی کا کانگریس کی طرف جھکاؤ ہونے کی وجہ سے مہاراجہ نے انکی صدارت میں قائم ڈوگرہ سبھا پر پابندی لگائی۔ ۱۹۳۳ء میں بدھ سنگھ جی نے کسان پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ اُسی سال ان کو میرپور اور پونچھ کے علاقوں سے پہلی بار ریاستی اسمبلی کی ممبری کے لئے منتخب کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد چند اور ترقی پسند ہندوؤں کے ساتھ مل کر انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کی لیڈرشپ میں کشمیری مسلم رہنماؤں سے ایک مشترکہ سیاسی تنظیم بنانے کے لئے رابطہ قائم کیا۔ ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے میں اُن کا خاص رول رہا۔ ۱۹۴۳ء تک جبکہ وہ سیاست سے کنارہ کش ہوگئے وہ اس جماعت کے صف اول کے رہنماؤں میں شمار کئے جاتے تھے۔

سردار بدھ سنگھ جی تین بار جیل گئے۔ آخری بار ان کو ۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑ دو" تحریک میں شمولیت کی بناء پر گرفتار کیا گیا۔ اگرچہ انکی صداقت تقریروں اور بیانات میں اتنی شدت نہیں ہوتی تھی لیکن ۱۹۴۶ء میں اپنے مقدمے کی سماعت کے دوران انہوں نے کھلے عام کہا کہ نظام شاہی میں اصلاحی تحریکوں کے ذریعے سدھار لانے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب صرف انقلاب اور آزادی کی منزل تک پہنچنا ہی ان کا نصب العین ہے۔

آزادی کے بعد سردار بدھ سنگھ جی شیخ صاحب کی سربراہی میں بنائی گئی پہلی عوامی حکومت میں شامل ہوئے۔ وہ دو سال سے بھی کم عرصے کے دوران تین بار اُنکے پورٹ فولیو میں تبدیلی کی گئی۔ آخرکار ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں وہ کابینہ سے مستعفی ہوئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس قسم کی سیاسی [illegible]

نہیں آئی۔ سیاسی طور پر بھی اُن کے مخصوص مزاج کی وجہ سے وہ کبھی کبھی اپنے آپکو الگ تھلگ محسوس کرتے رہے۔ جب جموں میں پہلی بار نیشنل کانفرنس کا صوبائی یونٹ قائم ہوا تو بدھ سنگھ جی کو اس یونٹ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا لیکن وہ اپنی سوانح عمری "پریم کھلاڑی میں" صفحہ ۲۰۳ پر رقمطراز ہیں کہ اس نئی ذمہ داری کے دوران شیخ صاحب کے اُن پر علاقائی تعصب کا الزام دینے کی وجہ سے انکو انتہائی دُکھ ہوا۔

نظریاتی طور پر بدھ سنگھ جی کمیونسٹوں کی طرف راغب ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں شائع کئے گئے "کمیونسٹ بدھ گی" نامی ایک پمفلٹ میں انہوں نے عوام کے کمیونزم کی طرف راغب ہونے کی وجوہات بیان کیں۔ انہوں نے لکھا۔ جس رفتار سے اصلاحات ہو رہی ہیں اُس سے غریب عوام مطمئن نہیں ہیں۔ عوام ایک فوری انقلاب چاہتے ہیں۔ اُن کے کمیونسٹ ساتھیوں نے ۱۹۵۱ء میں نیشنل کانفرنس سے علیحدگی اختیار کر کے ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ جو بعد میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (مارکسٹ لیننسٹ) کی ریاستی اکائی بنی۔ اس طرح کمیونسٹ تحریک سے بھی اُن کا تعلق ٹوٹ گیا۔

بدھ سنگھ جی کو انتہائی دُکھ ہوا جب ۱۹۵۳ء میں شیخ محمد عبداللہ جو بدھ سنگھ کو اپنا روحانی رہنما مانتے تھے نے اپنے تمام بیانات، معاہدوں اور تقریروں سے انحراف کر کے ایک گمراہ کن راستہ اختیار کیا۔"

(ہندوستان سٹینڈرڈ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۳ء)

راجیہ سبھا کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے ریاستی سرکار میں شیخ صاحب کے جانشینوں کی حمایت کی۔ لیکن جب ۱۹۶۴ء میں اپنی ممبری کی دوسری ٹرم ([illegible]) پوری کر کے دلی سے واپس آئے تو صورت کشمیر کے سیاسی ماحول

حکیم محی الدین

مہاتما بدھ سنگھ

تحریک آزادیٔ کشمیر جو سنہ ۱۹۳۱ء سے مظلوم ریاستی عوام کی بیداری اور حق حریت کی طلبگاری کے جوش و خروش میں مختلف نشیبوں اور تدریجی مراحل سے گذری۔ آج جبکہ ۵۰ سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ تحریک کی وہ ابتدائی کیفیت جس کے ہر مرحلے پر بڑے سے بڑے رہنما سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے رضاکار تک خلوص، نیک نفسی، بے غرضی، خدمت خلق کی لگن اور انسانیت نوازی سے سرشار ہوتی تھی۔ تقریباً کافی حد تک مفقود ہو چکی ہے۔ وحدت فکر، وحدت عمل، اور مقاصد کی ہم آہنگی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ جس طرح تحریک کی یہ بنیادی خصوصیات ہم سے چھن چکی ہیں، اسی طرح اجل کی سیاہ چادر نے ہم سے ایسے بے شمار چہرے چھپائے ہیں جن کی آب و تاب گھن گرج ایثار و خلوص اور بے غرضی جذبۂ خدمت خلق اللہ سے تحریک کو توانائی اور تقویت حاصل ہوتی رہی۔ انہی میں سردار بدھ سنگھ کا وجود ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔

مہاتما جی تحریک حریت کے آغاز سے کافی عرصہ پہلے محکمہ مال میں مختلف بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ اُن کے درد مند دل نے عوام کی بے پناہ مظلومیت سے بہت پہلے آشنائی حاصل کی تھی۔ وہ اس حقیقت کا بارہا اعتراف کرچکے تھے کہ سیاسی یا اقتصادی سطح پر لڑائی ہندو اور مسلمانوں کے

میں انتہائی اکیلا پن کے شکار ہو گئے۔ انہوں نے شفاخانہ پر گھٹن میں اپنی مجبوریوں میں پناہ لی اور ریاست کی سیاسی و سماجی زندگی سے دور درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مئی ۱۹۸۰ء کے آخری ہفتے میں ان کا انتقال ہوا۔

بدھ سنگھ جی ٹھوس اعتقادات کے قائل، محنتی اور ایک مخلص انسان مقرر تھے۔ اپنی وسیع نظری کی وجہ سے ریاست کی ثقافتی، مذہبی اور علاقائی تحریکوں کو پروان چڑھانے میں ان کی زندگی وقف رہی۔ اسی لئے انہیں مہاتما اور تیاگ مورتی جیسے القاب سے نوازا گیا۔

درمیان نہیں۔ جنگ اصل ظالم اور مظلوم کے درمیان ہے۔ ظالم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ظالم کسی خاص مذہبی فرقے سے ہی وابستہ ہوں۔ اسی طرح مظلوم ہر فرقہ اور ہر مذہب اور عقیدہ میں شامل ہیں۔ اسلئے تحریک کی شکل و صورت کچھ ایسی ہونی چاہیئے۔ جو براہ راست استحصال اور ظلم و جبر کے خلاف عوام کی مجموعی صف آرائی کی طرف عوام کے ذہن و فکر کی رہنمائی کرے۔ اور رہنمائی کرنے والوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے ایثار و خلوص اور بے غرضی اور جذبۂ عمل سے عوام کے لئے خود ایک نمونہ بن جائیں۔ تحریک کے متعلق سردار بدھ سنگھ کا یہی تصور تھا جو سالہا سال تک ان کی رفاقت کرتا رہا۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں جب مسلم کانفرنس کا دائرہ عمل وسیع کرکے اس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا۔ اور تحریک کو ہندو مسلم اور سکھ کی تخصیص کے بغیر ایک وسیع دائرہ میں ایک سیکولر طرز کے پروگرام اور مقصد کو بڑھاوا دینے کا موقع ملا۔ تو سردار بدھ سنگھ نے تحریک کے سب سے بڑے قائد جناب شیخ محمد عبداللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نیشنل کانفرنس کی قیادت اور رہبری میں مظلوم عوام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملائی۔ اور ایک ایسے مرحلے پر جبکہ اس تحریک کی امداد و اعانت ایک غیر مسلم کیلئے اپنی برادری میں جرم عظیم تصور ہوتی تھی۔ انہوں نے ایک واقعیت پسند کے انداز میں نتائج و عواقب کی پرواہ کئے بغیر اپنے "ذوق گناہ" کو آسودگی بخشی اور قید و بند، دار و گیر غرض تحریک کی ہر آزمائش میں ایک جانباز مرد مجاہد کا رول ادا کیا۔ ان کی سادگی، عجز و انکساری، قومی خادموں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ تحریک کے پاک مقاصد کے ساتھ والہانہ وابستگی، تحریک کے رہنماؤں خاص کر جناب شیخ محمد عبداللہ سے ان کی محبت و عقیدت، آزمائشوں اور

صعوبتوں میں جیل اور جیل سے باہر ان کا صبر و استقلال اور کارکنوں کی ہمت افزائی خود اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑے دھونا، دودھ اور گندم کو خلوص سے مشکر کے ساتھ پکانا اور دوستوں اور رفیقوں کو "دعوت شیراز" میں شامل کرکے کھانا، اور کبھی کبھی بجھتے ہوئے آلو اور تازہ مکی کو بھون کر کھانا یہ سب ایسی خوبیاں تھیں، جنہوں نے ان کو عوام میں "مہاتما" کا درجہ دلایا اور تحریک آزادی کے صف اول کے رہنماؤں جناب شیخ محمد عبداللہ مرحوم بخشی غلام محمد، مرحوم صادق صاحب، مرحوم راجہ محمد اکبر، مرزا محمد افضل بیگ صاحب اور مولانا مسعودی وغیرہ میں ایک ممتاز اور پر وقار درجہ دلایا۔

تحریک کے آغاز سے پہلے انہوں نے مختلف عہدوں پر فائز رہتے ہوئے عوام کی بے پناہ مظلومیت، جہالت، سادگی کا جو بھیانک نقشہ دیکھا تھا اور جبر کے شکنجے میں کسمساتے دیکھا، انہوں نے جابر حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرکے بڑے اور منفعت بخش عہدوں سے ہاتھ دھولیا۔ اس کی داستان انہوں نے تفصیلی طور اپنی کئی کتابوں میں لکھی ہے۔ "درد دل"، "غریب کے آنسو" وغیرہ درجن کتابیں میرے مطالعہ سے گزر چکی ہیں۔ جن کا ایک ایک حرف ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی مظلومیت اور بے بسی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

ریاست پر پاکستانی حملہ کے بعد جناب شیخ صاحب کی سربراہی میں پہلی عوامی حکومت قائم ہوئی تو جناب مرحوم نشر و اشاعت کے وزیر مقرر ہوئے میں چونکہ ریڈیو کشمیر کا پہلا ڈائرکٹر مقرر ہوا۔ اور تحریک کے اولین دنوں میں مجھے بھی شمولیت کا فخر حاصل ہے۔ اس لئے میں سردار موصوف سے کافی قریب طور وابستہ رہا۔ وزیر بننے کے بعد بھی کم و بیش ان کا وہی طرز عمل رہا۔ عوام ان کی زندگی کا دستور تھا۔ البتہ منصبی تقاضوں کی بناء پر انہیں

اپنی ذمہ داریوں اور فرائض میں کچھ تبدیلی لانا پڑی۔ کچھ عرصہ وہ پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے۔ لیکن وہاں بھی اپنی سیاسی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہے۔

جہاں تک بدھ سنگھ کی شمولیت نے تحریک آزادی کشمیر کو کافی تقویت بخشی لیکن وہ اس وقت تحریک میں باقاعدہ طور شامل ہوئے۔ جب اُن کی عمر جوش و شباب کو رخصت کرکے بڑھاپے کی طرف گامزن تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شمولیت اور اُن کی "گاندھی جیکٹ" نے تحریک کو ایک نئی زندگی بخش دی۔ ظلم اور استحصال کے خلاف وہ جب بولتے تھے تو تیغ عریاں بن کر ظلم کے خلاف بولتے تھے۔ تحریر و تقریر میں اگرچہ عدم تسلسل اور بے ربطی کا احساس پیدا ہوتا تھا لیکن ان کی زبان ہمیشہ خلوص اور حق کی داعی تھی۔ شیر کشمیر کو وہ "واہگورو کی کرپا" اور مرد مجاہد تصور کرتے تھے اور اسی نام سے ان کی عقیدت جلوہ گر ہوتی تھی لیکن ۱۹۵۳ء کی سیاسی تبدیلیوں کے نتیجہ میں جب شیخ صاحب سے وزارت کی کرسی چھین لی گئی۔ اور محاذ رائے شماری کا قیام عمل میں آیا، تو سردار بدھ سنگھ نے بھی اس تحریک رائے شماری سے اپنی بیزاری اور اختلاف کا اعلان کیا۔

ہم نے ان کے کئی قلمی نسخے نقل کرکے شائع کرائے ہیں۔ ان کا خط سالہا سال لکھتے لکھتے اتنا شکستہ ہو چکا تھا کہ مولانا سعید صاحب اور میرے بغیر اس کو کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن لکھنے میں ان کی تیز رفتاری اس قدر تھی کہ منٹوں میں صفحوں کے صفحے ڈھیر کرتے تھے اور ٹیڑھی ترچھی لکیروں میں کچھ اس طرح لکھتے تھے گویا کسی آزمودہ کار نے ایک سادہ کاغذ کو نقش و نگار سے آراستہ کیا ہو۔ کہیں کوئی داغ نہیں۔ سفید کاغذ پر آڑی ٹیڑھی ترچھی لکیریں

کو سلیس خط میں نقل کرنا میرے لئے مشکل ہوتا تھا۔

موصوف جس طرح شیخ صاحب سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اسی طرح مولانا سعید مسعودی صاحب کے علم و فضل کا بھی بہت احترام کرتے تھے۔

مجھے معلوم نہیں کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے اور تحریک آزادی کے مجاہدین اور تحریک کے بنیادی مقاصد سے بے اتفاقی اور انحراف کا منظر دیکھتے تو ان پر کیا گزرتی اور وہ کونسا طرز عمل اختیار کرتے۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود کہ جہاں تک سردار بدھ سنگھ آج ہم میں موجود نہیں۔ انہوں نے قومی تحریک کی آبیاری اور تقویت کیلئے جو خدمات انجام دی ہیں وہ کشمیر کی سیاسی تاریخ میں ہمیشہ جا [illegible]

زندگی کے آخری ایام میں ضعف اور جسمانی کمزوریوں نے ان کو بیکار اور عملی زندگی سے کافی لاتعلق بنا ڈالا۔ مرحوم بخشی صاحب، مرحوم صادق صاحب ان کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ اور ان ایام میں بھی ملاقات کیا کرتے رہے۔ میں بھی ایک بار جموں میں ان سے ملا۔ تو آواز پہچان کر میرے ساتھ ہاتھ ملایا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے آنے سے گزری ماضی کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ میرے مشاغل کے متعلق جب آپ نے دریافت کیا تو میں نے کہا کہ وفا کی سزا بھگت رہا ہوں تو بڑے دل گرفتہ ہوئے اور دعائیں دیں۔

خدا انہیں سورگ باش کرے (آمین)

●

عبدالکریم خان (اجل بابا)

ایک انسان دوست

نیائی سردار بدھ سنگھ جی سوڑگیہ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے چند لیڈروں میں سے ایک تھے۔ میں نے اکثر ان کو بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کرتے دیکھا ہے۔ ان کی عالمانہ اور فاضلانہ تقریروں سے اُن کی عظمت کا اندازہ لگتا تھا۔ ایک زمانے میں وہ شخصی راج میں وزیر وزارت کے عہدہ جلیلہ پر مامور تھے۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے اُنہیں رحمدل بنا دیا تھا۔ شاید اس لئے کہ آگے چل کر اُن سے اہم کام لینا مطلوب تھا۔ اُس زمانے میں غریب عوام پر راہ چلتے بیگار کی پکڑ دھکڑ عام تھی۔ اس بیجا ظلم و ستم کو دیکھ کر نیائی صاحب کا دل برداشت نہ کر سکا۔ اور اُس بے انصافی کے خلاف اس وزیر وزارت کی کُرسی پر لات مار کر سیاست کے میدان میں کود پڑے۔ تاکہ اس ظلم و ستم سے غریب عوام کو نجات دلا سکیں۔ چونکہ نیائی صاحب جناب شیخ محمد عبداللہ کے خاص ساتھیوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس لئے میں اپنی پوزیشن کو مدِ نظر رکھ کر اُن کے قریب جانے سے ہچکچاتا تھا۔ جلسوں میں لوگ اُن کی تقریروں کو بڑے شوق سے سنتے تھے۔ یہ عمر رسیدہ ستر سال کا بوڑھا آزادیٔ وطن کا دیوانہ اپنی شعلہ بیانی سے جوانوں کو اپنے گریبان تار تار کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اُن کی تقریروں میں درد تھا۔ خلوص تھا۔ اور وطنیت

کا جذبہ موجزن تھا۔ اُن کی دھواں دار تقریروں سے لگتا تھا کہ یہ وطن کا سپاہی شخصی راج کے خلاف ہاتھ میں برہنہ تلوار لیکر وطن کی آزادی کیلئے سر بکف میدانِ عمل میں اتر پڑا ہے۔ ۱۹۳۹ء کے زمانہ میں کوئی شیرِ کشمیر کے نام لیوا کے لئے حکومت نے سنٹرل جیل کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ تاکہ آنے والے مجاہدوں کو زیادہ دیر منتظر نہ رہنا پڑے۔ جب مجھے اس مہمان خانے میں پہنچایا گیا۔ تو اس وقت تک ۳۰۰-۴۰۰ مجاہدینِ وطن اندر داخل ہو چکے تھے۔ ان ہی میں جناب نیائی صاحب کا بھی شمار تھا۔ اُس وقت چند معزز لیڈروں کو سپیشل کلاس میں رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جن میں قبلہ مولانا محمد سعید صاحب مسعودی اور جناب نیائی صاحب کا نام سرِ فہرست تھا۔ سپیشل کلاس میں رہنے والوں کو کھانے اور پینے کی کافی سہولیات میسر تھیں۔ مثلاً گوشت دودھ، مکھن، ڈبل روٹی صاف چاول، تازہ سبزی، سگریٹ وغیرہ وغیرہ۔ مگر مولانا صاحب اور نیائی صاحب نے سپیشل کلاس میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح یہ دونوں بزرگ عام قیدیوں کے ساتھ آکر مل بیٹھے۔ وقت گذرتا گیا۔ دن گذرتے گئے۔ ہمارے لیڈروں نے قیدیوں کو سہولت پہنچانے کے لئے حکومت کو چند مطالبات لکھ کر بھیج دیئے لیکن حکومت نے اُن مطالبات پر توجہ دینا تو درکنار، جواب تک دینا بھی گوارا نہ کیا۔ حکومت کی اس تغافل شعاری پر بطورِ احتجاج مولانا صاحب نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اس طرح کچھ دن گذر گئے۔ مولانا صاحب کی حالت نازک مرحلوں سے گذرنے لگی۔ جیل کے ہر قیدی کے دل میں حکومت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ سب قیدی ایک ہو گئے۔ مرنے اور مارنے پر تُل گئے۔ جیل کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا۔ یہ خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی اور سوئی ہوئی ایجی ٹیشن پھر سے جاگ اُٹھی۔ اب شہر میں مار دھاڑ

اور پکڑ دھکڑ کا چل چلاؤ ہونے لگا۔ دوسری طرف جیل میں مولانا [illegible] زندگی بچانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ تو تیاگی صاحب نے اپنا [illegible] اُٹھا کر مولانا صاحب کی بارک میں بچھا دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ اگر حکومت کل دن کے اندر اندر ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کئے۔ تو کل شام سے ہم بھی مرن برت رکھیں گے۔ ہائے اللہ اب کیا ہوگا۔ ایک دہشت دو دہشت۔ ہم لوگوں کیلئے پریشانی اور بڑھ گئی۔ اُدھر حکومت نے گھبرا کر تمام مطالبات تسلیم کئے۔ وہاں جب مولانا صاحب نے بھوک ہڑتال توڑ کر تیاگی صاحب کے ہاتھ سے دودھ کا ایک گھونٹ پی لیا۔ تو اُس وقت کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ دن قیدیوں کے لئے عید کا دن تھا۔ جیل کے تمام قیدی حکومت کی شکست اور اپنی فتحمندی پر ناچ اُٹھے۔ اور جیل میں دھوم مچا دی۔ حق تو یہ ہے کہ میں بھی پھولے نہ سمایا اور اس اُچھل کود میں شامل ہو گیا۔ اور جھوم جھوم کر ناچنے لگا۔ اُس وقت میرے لئے مانو نہ جانے [illegible] شیر بچہ والا معاملہ تھا۔

دوسرے روز کیا ہوا کہ جب بارک میں تیاگی صاحب اپنا بستر اُٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اُس بارک کے تمام قیدیوں نے مولانا صاحب کی بارک پر اچانک ہلہ بول کر تیاگی صاحب کا بستر اُٹھا کر شور و غل مچاتے ہوئے لے گئے۔ گویا ان قیدیوں کو ایک گم شدہ خزانہ پھر سے ہاتھ آ گیا۔ یہ خوشی بھی تھی۔ مگر دیکھنے کا بھی ایک عالم تھا۔ تیاگی صاحب اس منظر کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور یہ شعر گنگنا رہے تھے ؎

کسے معلوم تھا فصلِ گل میں۔ قفس میں میرے دیوانے رہیں گے

شعر کچھ برمحل تھا۔ تو میں نے تیاگی صاحب سے مذاق کے طور پر کہا۔ جنابِ شاعر کب سے بنے ہو تو بغیر کسی سوچ کے جواب دیا۔ جیلی بابا اگر تم بھی مرن برت

رکھ لیتے تو تم بھی شاعر بنتے۔

مطالبات میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ تمام سیاسی قیدیوں کو دن کے چار بجے کے بعد پھانسی کے میدان میں کھیل کود کی اجازت دی جائے تاکہ ان کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے۔ اب سب قیدی میدان میں چلے جاتے اور اپنی اپنی پسند کا کھیل کھیلتے۔ کچھ جوان کبڈی کھیلتے تو کچھ جوان اپنی جوانی کے نشے میں چور ہو کر کشتی لڑتے۔ یہ تماشا دیکھ کر مجھے اپنی گذری ہوئی جوانی کی یاد آتی۔ بقول شاعر ؎

ایاز اب کہاں وہ جوانی کا عالم
جوانی جو ملتی گلے سے لگاتے

اس طرح اور کچھ تعلیم یافتہ طبقہ ایک گول دائرے میں بیٹھ کر سیاست پر بحث و مباحثہ شروع کر دیتے۔ اس طرح چند گھڑیاں ہنستے کھیلتے ہر غم کو بھول کر گذار لیتے۔ پھانسی کا میدان کیا ہے۔ اس کا پس منظر کیا ہے۔ آپ بھی سن لیجئے یہ جیل کی چار دیواری کے اندر ایک وسیع میدان ہے۔ اس میں اب بھی ایک دار موجود ہے۔ اس دار پر قاتلوں کو چڑھا کر گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر لٹکایا جاتا۔ خدا جانے اس دار پر کتنے بے گناہ لٹکائے گئے ہوں گے۔ تیاگی صاحب چونکہ تنہا پسند تھے۔ ہم سے الگ تھلگ ہو کر میدان کی چار دیواری کے ساتھ ساتھ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چکر کاٹ لیتے۔ اس طرح وہ روزانہ دو میل کا سفر طے کرتے کبھی کبھی جناب شام لعل صاحب ہمراہ شامل ہو جاتے۔ اور سرگوشیاں کرتے بھی نظر آتے۔ میں نے جیل کے زمانے میں ان کو فکرمند اور پریشان نہ دیکھا۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ موجود ہوتی۔ شاید کسی شاعر نے ان کو ہی دیکھ کر یہ فرمایا ہے ؎

ہزاروں غم مری عادت بدل نہیں سکتے
میں کیا کروں مجھے عادت ہے مسکرانے کی

تیاگی صاحب کی ہمت، تحمل، استقلال اور اُن کی بُردباری ہمارے لئے حوصلہ مندی کا سبق تھا۔ جیل کے اندر وہ اپنی مثال آپ تھے جیسے وہ سب کچھ اپنے ساتھ لے کر جیل میں آ بیٹھے ہیں۔ تو فکر کاہے کی۔ ان کا خیال تھا کہ ہم وہ منزل پا چکے ہیں جس منزل کی تلاش تھی۔ کبھی کبھی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم جب بھی اس قفس سے چھوٹ جائیں گے۔ تو اس وقت آزادی کی دیوی ہمارے آگے آگے پھول برساتی ہوئی چلتی ہوگی اور ہم بھی وہیں۔ تیاگی صاحب مذہبی جھگڑوں سے بالاتر تھے۔ اُن کی نظروں میں سب ایک جیسے تھے۔ اُن کے دل میں ہر ایک کے لئے پیار ہی پیار تھا۔ ان کا دل محبت اور خلوص سے مالامال تھا۔ وہ اگرچہ [illegible] کے رفیق سب کے دوست تھے مگر [illegible] کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مکمل انسان تھے۔

موہن سنگھ نومان

کشمیری گاندھی

کسی کمہار سے ایک مفکر نے کہا تھا۔ "شمع کی روح جلا کر سونا بن جاتی ہے"۔ شمع کی لو کو جلا جتنا ناممکن ہے۔ بدھ سنگھ تیاگی کی سوانح حیات کو چند سطور میں اُجاگر کرنا اُتنا ہی مشکل ہے۔ سنت جی کے اُپدیش سے میں بھی بہت متاثر ہوا۔ یہی وجہ ہے میں نے تحریکِ آزادی میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اُنکی رہنمائی میں صرف کیا۔ وہ مجھ سے پیار کرتے تھے میرے ہمدرد تھے اور میرے دُکھ سُکھ میں برابر شریک رہتے تھے وہ کبھی کبھی میرے گھر موضع اچھا بل تحصیل بیروہ میں درشن دیکر میری عزت افزائی کرتے تھے۔ اکثر دورانِ گفتگو، اُن کی پُرتر زندگی کے بارے میں کچھ واقفیت حاصل ہوتی تھی۔ اس واقفیت کی روشنی میں اُنکی زندگی سے متعلق چند باتیں درج کرنے کی کوشش کرونگا۔ اگرچہ چند سطور قلمبند کرتے وقت قلم میں روانی ہوتی تو رگ رگ سے لہو ٹپکتا۔

سنت بدھ سنگھ جی میرپور کے ایک امیر ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب وکیل تھے۔ آپکی والدہ ایک سکھ گھرانے کی دخترِ ارجمند تھی۔ حصولِ تعلیم کے بعد سنت بدھ سنگھ جی محکمۂ مال میں ملازم ہوئے۔ سنت جی بچپن سے ہی ذہین، روشن دماغ، سچ کے پرستار اور خوددار تھے۔ دورانِ ملازمت جب انہوں نے دیکھا کہ غریب

کسانوں پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ غریب عوام سے جبراً بیگار لی جاتی ہے۔ کسان کی کمائی کا استحصال ہو رہا ہے۔ عوام سامراج کی چکی میں بُری طرح پستے جا رہے ہیں۔ اور سامراج کی دوہری غلامی میں مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ غریب عوام کی یہ قابلِ رحم حالت دیکھ کر اُن کا انسانی ہمدردی سے بھرپور دل تڑپ اُٹھا۔ ان کے خیالات میں انسانی ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوا۔ موجودہ طرزِ نظام سے نفرت ہوئی۔ اور فیصلہ ہوا کہ جہاں بھی وہ جائیں گے کسی پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔ سب کو سستا انصاف ملے گا۔ آپ کی والدہ محترمہ صبح سویرے نہا دھو کر سکھمنی صاحب کا پاٹھ کرتی تھیں۔ سنت جی بلا ناغہ ہر روز اپنی ماں سے سکھمنی صاحب کا پاٹھ سُنتے تھے۔ ماں کی کرپا سے سنت جی کے دل و دماغ پر ایشور بھگتی کا اس قدر پختہ رنگ چڑھا کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک یادِ الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں۔

(۲) سرکاری ملازمت: ایک ایسا وقت آیا جب وہ دربار صاحب امرتسر چلے گئے۔ ان دنوں اکالی لہر بامِ عروج پر تھی۔ اکالی تحریک جیسے صحیح معنوں میں انگریز سامراج کے خلاف عدم تشدد پر مبنی ایک کامیاب تحریک تھی۔ وہ اس سے بے حد متاثر ہو کر اکال تخت صاحب سے امرت پان کر کے سکھ بن گئے۔ اور آپ کا نام سردار بدھ سنگھ رکھا گیا۔ سکھ بن جانے سے اُن کی دُور اندیش آنکھوں کے سامنے گورو نانک دیو جی کا اپدیش، قوم، دیش اور دھرم کیلئے دی گئیں گورو ارجن دیو جی کی عظیم شہادت، شہیدوں کے سرتاج گورو تیغ بہادر کا بلیدان، گورو گوبند سنگھ جی کی لاثانی قربانیاں۔ اُن کے چار صاحبزادوں کی بیش بہا قربانیوں کے دل ہلا دینے والی تصویریں گزری

تھیں جن سے متاثر ہو کر اُن کے انسانی دل میں دیش بھگتی، نورِ الٰہی، انسان دوستی کا انمٹ جذبہ پیدا ہوا اور مظلوم اور مفلوک الحال عوام کو جاگیر شاہی کے مظالم سے چھٹکارا دلانے کے لئے عوامی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ آپ میں خودداری، خود اعتمادی اور جرأت کا بے مثال جذبہ تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اُن کو بندوبست کمشنر مسٹر [illegible] بٹ نے کسی سرکاری کام کے لئے طلب کیا۔ آپ اُن دنوں تحصیلدار بندوبست تھے۔ آپ نے کمشنر کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اور واپس جواب بھیجا کہ جن غریب لوگوں کو آج میری کچہری میں تاریخ پیشی پر آنا ہے۔ ایک دن کا سارا دن ضائع ہوگا۔ وہ مُفت ان کو یہاں آنے جانے پر بھی کافی خرچ ہوگا۔ اگر آپ اُن کی مزدوری کا خرچ دینے کیلئے تیار ہیں تو میں آ جاؤں گا۔ بصورت دیگر میرے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس جواب پر کمشنر صاحب انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ اور آئندہ کمشنر نے دن اور وقت سنت جی کی مرضی سے مقرر کر کے بلانا بھی طلب کیا۔ سنت جی جب بھی کمشنر کے پاس گئے تو ملازمت سے استعفیٰ دینے کا چٹھا ساتھ لے جاتے اور جاتے ہی پہلے اُسے ٹیبل پر رکھتے اور پھر کرسی پر بیٹھتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ سنت بدھ سنگھ جی کو اطلاع بھیجی گئی کہ فلاں تاریخ کو مہاراجہ ہری سنگھ وہاں شکار کھیلنے آ رہے ہیں اُن کیلئے گھوڑوں اور قلیوں کا انتظام کرنا۔ بدھ سنگھ اُن دنوں ضلع ڈوڈہ میں وزیر وزارت تھے۔ انہوں نے سب انتظام کرا دیا۔ لیکن مقررہ دن اور وقت پر راجہ نہ آئے۔ تیسرے دن وزیر صاحب خود آئے اور سنت جی سے کہا کہ راجہ صاحب اس دن نہ آ سکے۔ اب آپ گھوڑوں اور قلیوں کا کل کیلئے انتظام کریں۔ لیکن سنت جی نے جواب دیا کہ جب تک

اس دن کے گھوڑوں کا کرایہ اور قلیوں کی ایک دن کی اجرت اور پھر کل کے لئے گھوڑوں کا پیشگی کرایہ اور قلیوں کی اجرت نہ دو گے تب تک اس طرح کا انتظام کرنا ناممکن ہے۔ آخر لاچار ہو کر وزل صاحب نے بقایا اور پیشگی کی رقم دی۔ یہ رقم وصول کرنے کے بعد سنت جی نے گھوڑوں اور قلیوں کا انتظام کیا۔ اس کے ساتھ ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کیا گیا۔ آخر کار راجہ بھی آئے اور کچھ دن شکار کھیلتے رہے۔ پہلے دن جب وہ شکار کھیل کر آئے تو راستے میں وزل صاحب نے ایک غریب کسان کا ایک خاصا موٹا بھیڑ دیکھا اور ایک اپنی کار کے ذریعے بنا پیسے دیئے بھیڑ کو کیمپ میں پہنچوایا۔ کسان نے اسی وقت سنت جی سے سارا ماجرا جا کر سنایا۔ سنت جی نے بھیڑ کے اس قصہ پر ایک ڈراما لکھا اور ڈراما اسٹیج کرنے کیلئے اسکول کے بچوں کی طرف سے جیش کے سجارہے ڈرامے کو دیکھنے کو کہا۔ راجہ جی ڈرامہ دیکھنے کو گئے تو ڈرامہ دیکھتے ہوئے وزل صاحب اور دوسرے اہلکار شرمندہ ہوئے اور بعد میں راجہ صاحب جو اس واقعہ سے بے خبر تھے شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے اسی وقت غریب کسان کو منہ مانگے دام دیئے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک بوڑھی عورت مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے پاس گئی۔ اس سے عرض کی کہ مجھے اپنے رشتہ داروں نے کافی تنگ کیا ہے۔ میرا کیس سردار بدھ سنگھ کے پاس ہے۔ آپ ان سے کہیں کہ وہ میرے حق میں فیصلہ کریں۔ مہاراجہ نے ایک خاص درباری کو سنت جی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے سنت جی کو کہا۔ مہاراجہ صاحب نے کہا ہے کہ کہ اس عورت کے کیس میں مدد کریں۔ تو جواب میں سنت جی نے کہا کہ مہاراجہ کو عرض کریں کہ میں کسی سے بے انصافی نہیں کرتا۔ یہاں میرے

پاس انصاف ہے۔ اگر اس عورت کا حق نہ ہو تو میرا قلم کسی دوسرے کا حق نہیں مار سکتا۔

ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ سنت جی کے والد بزرگوار ان سے ملنے آئے جبکہ وہ وزیر وزارت کے عہدے پر فائز تھے۔ چونکہ سنت جی بچپن سے ہی گوشت، انڈا، مچھلی وغیرہ کا استعمال نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی یہ سب چیزیں ان کے رسوئی خانے میں پکتی تھیں۔ اپنے والد صاحب کی انہوں نے دال سبزیوں ہی سے مہمان نوازی کی۔ سنت جی نے گھوڑے کے واسطے اپنے خادم کو گھاس خریدنے کے لئے باہر بھیجا۔ وقفہ کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔ کافی دیر تک خادم نہ لوٹا۔ سنت جی کو کافی فکر لاحق ہوئی کہ کہیں خادم کیچڑ میں گر نہ گیا ہو۔ وہ خود چھاتہ اٹھائے خادم کی کھوج میں نکل پڑے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد انہوں نے اپنے خادم کو واقعی کیچڑ میں لت پت پایا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ گھوڑے سے پھسل جانے کے بعد گھاس کا وزن نہیں اٹھا سکا تھا، تو انہوں نے گھاس کی گٹھڑی خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر گھر کی طرف رخ کر دیا۔ گھر پہنچتے پر ان کے والد صاحب انکا انتظار برآمدے میں کر رہے تھے یہ سارا کچھ دیکھ کر ان کے والد غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ اور ان سے کہنے لگے کہ تم تو محکمہ مال کے ایک اچھے عہدے پر فائز تھے تمہارے لئے یہ سب کچھ کرنا اچھا نہیں ہے تو والد صاحب سورج کے غروب ہونے سے پہلے اپنے گھر میرپور روانہ ہو گئے۔ اور یہ سارا واقعہ جا کر اپنے گھر کے افراد کو سنایا۔

پورے وطن میں جب آزادی کی تحریک زوروں پر تھی تو ریاست

پنجاب میں گوردواروں کو آزاد کرانے کی تحریک بھی زور و شور سے جاری
تھی۔ اکالی تحریک نے غیر ملکی حکمرانوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ اور
عدم تشدد پر مبنی اکالی تحریک دیش کی تحریک آزادی کو مضبوط ترین
بنا رہی تھی۔ اس اکالی تحریک سے متاثر ہو کر ریاستی سکھوں نے بڑ مالو
کے وسیع میدان میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس میں
دیش بھر کے کچھ رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس کے سلسلے میں
نکالے گئے بھاری جلوس میں ہزاروں مسلم اور ہندو بھائیوں نے بھی
شرکت کی۔ جلوس میں ست سری اکال، اللہ اکبر اور ہر ہر مہادیو کے
فلک شگاف نعروں سے سرزمین سرینگر گونج رہی تھی۔ اس اہم سیاسی
کانفرنس کے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض بھی سنت جی [illegible] ہی نے انجام دیئے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ سنت جی جب دفتر
پہنچتے تو وہاں سوٹ بوٹ پہن کر دفتر کا کام انجام دیتے رہتے اور جب
چھٹی کے وقت باہر آتے تو سر پہ لمبی سی پگڑی باندھ کر کھدر کا ایک
چوغہ اور پاجامہ پہن کر باہر نکلتے اور اپنا باہر کا وقت غریب، مظلوم
اور مفلوک الحال عوام کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کرتے۔ عوام پر
آئے دن جبر و تشدد ہوتا دیکھ کر وہ سب کچھ برداشت نہ کر سکے۔ یہی
وجہ انہوں نے وزیر وزارت کے عہدے سے پروٹسٹ کے طور پر استعفیٰ
دے دیا۔ اور مستعفی ہو کر یاد الہٰی میں مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد
آپ گھر بار چھوڑ کر جموں میں تلوآب اور کشمیر میں بارہمولہ کے ایک گاؤں
گورہن جنگل ٹرالی میں جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ رات بھر آپ یاد الہٰی
میں مصروف رہتے اور دن کو آپ گردونواح کے قصبوں اور دیہات میں

اپنے شیریں کلام سے عوام میں قومی یکجہتی، اخوت و اتحاد پیدا کرنے کے
علاوہ ان کو روحانیت کا درس دیتے رہتے۔ مل جل کر رہنے اور ہندو مسلم
سکھ اتحاد کو مضبوط بنانے کا اپدیش دیتے رہتے۔ اس کے علاوہ وہ بڑے
بڑے دیہاتوں اور اجلاسوں میں جا کر دیش میں چل رہی تحریک آزادی
کی حمایت کرتے رہتے۔ ساتھ ہی مظلوم ریاستی عوام کی زبان بن کر ان کی
صحیح رہنمائی و ترجمانی کی۔ انہیں دنوں آپ نے اناج سے بنی ہر چیز کھانا
چھوڑ دی۔ صرف خشک میوے اور پاؤ بھر دودھ پی کر گذارہ کرنے لگے۔
سب کچھ تیاگ دینے کی وجہ سے آپ کو ریاستی عوام سنت کے علاوہ
بھی تیاگی جی کے نام سے پکارنے لگے۔ جب گوردوارہ پنجہ صاحب میں سری
سنت صاحب کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ تو پانچ پیاروں میں سے آپ بھی
ایک تھے۔

فکر و حال میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہنے کے باعث
مظلوم کسان غریب مفلس مزدور اور دیگر دکھی عوام کے مصائب و
مشکلات اور مظلومیت سے پوری طرح روشناس تھے۔ آپ نے کسان کی
داستان کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے کسان، کھیت مزدور
اور غریب عوام پر ہو رہے ظلم و جبر کو نہایت موزوں الفاظ میں بیان کیا۔
جب یہ کتاب چھپ کر [illegible] تو حکومت نے تیاگی جی کو گرفتار کر کے
جموں کے قلعہ باہو میں محبوس کر دیا۔ جب جیل سے آزاد ہوئے تو انہوں
نے ایک اور کتاب "غریبوں کے دکھ کا علاج" چھپوا کر پیش کی۔ کراچی میں
کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنے کے بعد جب آپ جموں پہنچ گئے، تو
انہوں نے ایک اور کتاب کراچی یاترا کے نام سے چھپوائی۔ اس کے علاوہ

لاہور کے راج صراف کے اخبار "زمیندار" اور سردار مہندر سنگھ کے
اخبار "وطن" میں تیاگی جی کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ یہ سارے
حالات ۱۹۳۱ء سے پہلے کے ہیں۔ ریاستی عوام میں جذبہ
خود اعتمادی و خودداری بیدار کرنے کے لئے ان کے سوئے ہوئے
ضمیر کو بیدار کرنے اور انہیں اُن کے حقوق دلوانے کے لئے
وہ اکثر شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے عوام میں جانے کے علاوہ
پہاڑوں کے جنگلوں میں بسنے والے عوام کے پاس بھی جاتے رہے۔ ۱۹۳۱ء
میں شخصی راج کو ختم کرنے اور جاگیرداری کا قلع قمع کرنے کے لئے مسلم
کانفرنس نے تحریک حریت شروع کی۔ اس تحریک کی قیادت جناب شیخ محمد
عبداللہ کر رہے تھے۔ تیاگی جی کے دل میں شیخ صاحب کی بے انتہا عزت
و قدر تھی۔ تیاگی جی تحریک حریت کی حمایت میں دن رات لگاتار محنت کرتے
تھے۔ وہ ان سے اکثر بار ملا کرتے تھے۔ اور یہ خاص ذکر بھی کرتے تھے، کہ
ریاست میں صرف مسلمان ہی مظلومیت کی زندگی بسر نہیں کر رہے ہیں بلکہ
لاکھوں ہندو اور سکھ بھی ماسوائے چند مخصوص خاندانوں کے سبھی غربت
اور افلاس کے شکار ہیں اور مظلوموں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس لئے
وقت کی پکار ہے کہ مسلم کانفرنس کا نام اور آئین بدل کر مشترکہ جماعت میں
بدل دیا جائے، تا کہ زیادہ سے زیادہ ہندو سکھ بھی اس جماعت میں شامل
ہو سکیں اور مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش تحریک حریت کو کامیاب بنانے
کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔ تحریک حریت دن بدن زور پکڑتی گئی۔
مجاہدین آزادی حکومت کے ہر طرح کے ظلم و جبر اور تشدد کو خندہ پیشانی
سے برداشت کرتے رہے۔ کاروان آزادی آگے بڑھتا گیا۔ حکومت نے

تحریک سے متاثر ہوئی اور اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے اس نے گلانسی کمیشن
کو عمل میں لایا۔ پھر گلانسی کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں سرکار نے پرجا
سبھا قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اور پھر پرجا سبھا (نام نہاد اسمبلی) کا انتخاب
ہوا۔ انتخاب میں تیاگی جی حلقہ میرپور پونچھ سے ممبر منتخب ہوئے۔ اس
پرجا سبھا میں سرکار کی طرف سے نامزد ممبروں کی خاصی تعداد تھی۔ تیاگی
جی نے تحریک حریت کے پروانوں مسلم کانفرنس کے ممبروں کو اپنا مکمل
تعاون دیا۔ اور ان کے ساتھ مل کر بے خوف و خطر عوام کی ترجمانی کرتے رہے
پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے
مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دیا۔ اور اس جماعت میں ہندو
اور سکھوں نے بھی شمولیت کی اور مسلم بھائیوں کے شانہ بشانہ تحریک آزادی
کو کامیاب بنانے میں جٹ گئے۔ نیشنل کانفرنس نے ایک اہم اور تاریخی قرارداد
پاس کی جسے چھاپ کر شائع کیا گیا۔ اس قومی مطالبہ سے عوام کو روشناس
کرنے کے لئے جگہ جگہ جلسے ہوئے۔ مہاراجہ کی سرکار نے قومی رہنماؤں اور کارکنوں
اور آزادی کے پروانوں کو جیل میں بند کر دیا۔ تیاگی جی نے اپنی ساری زندگی
تحریک آزادی کو کامیاب اور حصول آزادی کیلئے وقف کر دی اور حکومت
کے ہر ظلم و جبر و تشدد کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ وہ دو بار
بلا مقابلہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور ہر وقت
غیر معمولی قوت فکر، فہم و فراست اور حب الوطنی کا ثبوت دیا۔

۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کا آغاز ہوا۔ حکومت نے
تیاگی جی کو دیگر رہنماؤں کے ساتھ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں
محبوس کر دیا۔ سرکار نے اس تحریک کو ناکام بنانے کے لئے عوام پر بے پناہ

مظالم ڈھائے، قومی ہمدردوں کو ہر طرح کی اذیتیں دیں۔ لیکن تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی گئی۔ اس وقت عوام پر کئے گئے ظلم و جبر اور تشدد کی ہر بھیانک تصویر کو میں نے "چار اکشیر" نام سے منسوب کتابچہ میں ۱۹۴۶ء میں چھاپ کر شائع کیا۔ آخر کار سرکار کو مجبور ہو کر قومی رہنماؤں کو جیل سے آزاد کرنا پڑا۔ جیل میں مقید تیاگی جی پر بھی مقدمہ چلایا گیا۔ تیاگی جی نے بغیر کسی خوف کے عدالت میں تحریری بیان دیا جو بعد میں جاگیر شاہی کا پوسٹ مارٹم کے نام سے کتابی صورت میں چھپا۔

● اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی سرکار نے ہندوستان کو غیر فطری طور دو حصوں میں تقسیم کر کے آزاد کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ریاست پر قبائلیوں کے اچانک حملے سے حالات کافی نازک ہو چکے تھے۔ ریاست کی عزت آبرو کو بچانے کے لئے عوامی رہنماؤں نے مل کر اس نازک صورت حال پر کافی حد تک قابو پا لیا۔ اس ساری کوشش میں جو جماعت بدھ سنگھ تیاگی بھی شامل تھے۔ عوامی رہنماؤں نے ریاست کی اقلیتوں کو بچانے کے لئے جو اقدام کئے وہ ریاست اور ملک کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔

قبائلی حملے کے بعد ریاست میں سامراجیت اور ڈوگرہ شاہی کا خاتمہ ہوا۔ اور اقتدار شیخ محمد عبداللہ صاحب کے حوالے کیا گیا۔ شیخ صاحب نے تیاگی جی کو اپنی کیبنٹ میں محالیات کا محکمہ سونپا۔ کچھ عرصہ کے بعد نامعلوم وجوہات کی بناء پر تیاگی جی نے کیبنٹ سے تیاگ پتر دیا۔ اور جموں تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ اب میں اپنی موزوں جگہ پر آ گیا ہوں۔ اس بیان کے فوراً بعد بخشی غلام محمد جموں گئے۔ تیاگی جی سے بات چیت کی۔ لیکن تیاگی جی اپنے فیصلے پر قائم رہے

آخر کار انہوں نے اپنے ساتھیوں کے مجبور کرنے پر پارلیمنٹ کا ممبر بننا قبول کیا۔ وہ پورے بارہ برس پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔ وہاں انہوں نے اپنے زورِ بیان سے ملک کی عموماً اور ریاستی عوام کی خصوصاً ترجمانی کی۔ وہ سیکولر اور سوشلزم کی جڑوں کی آبیاری کرتے رہے۔

تحریک آزادی کا عظیم مجاہد، محب الوطن، مجسمۂ قربانی، انسان دوست آخر کار ۱۹۶۹ء میں اس جہانِ فانی سے ہمیشہ کے لئے چل بسا ہمیں اپنے عظیم انسانوں کی بے مثال قربانیوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ تاکہ ان کی عظیم زندگی اور کارنامے آنے والی نسلوں میں نیا حوصلہ پیدا کریں۔ تیاگی جی گو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے لیکن عوام کے لئے جو شاندار کام انہوں نے اپنی زندگی میں کئے۔ ان کی وجہ سے وہ امر رہے۔ اور ان کی یاد رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

بھر کے دامن گوہرِ مقصد سے ملک و قوم کا
آہ! ملک و قوم کے ہاتھوں سے وہ جاتا رہا

●

نند لال واتل

مخلص عوامی رہنما

سردار بدھ سنگھ ریاست جموں و کشمیر کے اُن رہنماؤں میں سے ہیں جنہوں نے یہاں کی سیاست کو صحیح سمت میں لے جانے میں نمایاں رول ادا کیا۔ وہ حقیقی معنوں میں عوامی رہنما تھے اور انہوں نے عوام کی بہتری کیلئے کام کرنا اپنی زندگی کا اصول بنایا تھا۔ ہر وقت اُن کے دل میں یہ خیال موجزن رہتا تھا کہ عام لوگ غربت، بیماری اور جہالت سے نجات حاصل کریں۔

ان کی زندگی پر گاندھی جی کے فلسفۂ حیات کا گہرا اثر تھا۔ انہوں نے کبھی عالیشان کوٹھیوں میں رہنے کی خواہش نہیں کی۔ جائیداد بنانے کے متعلق بھی انہوں نے سوچا بھی نہیں اور ذاتی وجاہت حاصل کرنے کا خیال تک نہیں کیا ہوگا۔ کھدر پہنتے تھے اور سادہ غذا کھاتے تھے۔ میں نے انہیں جب پہلی مرتبہ دیکھا تو کھدر کا ایک کُرتا، کھدر ہی کا پاجامہ پہنے تھے۔ سر پر سفید رنگ کی ایک پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ ان کے رکھ رکھاؤ میں اس وقت بھی کوئی فرق نہیں آیا جب انہیں ریاست کی پہلی نمائندہ وزارت میں ایک منسٹر کا عہدہ سونپا گیا۔

سردار صاحب نے ایک اوسط درجہ کے کھاتے پیتے گھرانے میں جنم لیا تھا تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ مال میں ملازم ہو گئے۔ اور ترقی کرتے کرتے وزیر وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن اس اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی انہوں نے عوام کی بہتری کے لئے سوچنے کا سلسلہ ترک نہیں کیا۔ انہیں کسانوں اور مزدوروں

کی ابتر حالت کا شدت سے احساس تھا اور اس بات کا بھی دکھ تھا کہ حکومت اُن کے لئے کوئی ٹھوس کارروائی نہیں کر رہی ہے۔ انہی ایام میں انہوں نے دو کتابچے لکھے جن میں انہوں نے عوام پر روا رکھے گئے ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ خاص طور سے انہوں نے بیگار کی رسم کو انصاف سے بعید قرار دے کر اس کو ختم کرنے پر زور دیا۔ سردار بدھ سنگھ کی یہ عوام پروری اُس وقت کی حکومت نے ناپسند کیا لیکن سردار صاحب پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ سرکاری عہدہ پر بیٹھ کر عوام کی بہتری کیلئے کام کر نہیں سکتے ہیں تو انہوں نے عہدہ ہی چھوڑ دیا۔ وزیر وزارت کے عہدے سے استعفیٰ دے کر عوام کی خاطر فقیری قبول کی۔ اُن کی ضروریات اس قدر کم تھیں کہ انہیں عہدہ چھوڑنے سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ وہ ریاست میں گھومتے پھرتے تھے۔ عوام کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور ان کو دور کرنے کے لئے پریس اور پلیٹ فارم سے آواز بلند کرتے تھے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ حکومت ان کی حق گوئی پر کس قدر ناراض اور برافروختہ ہو جاتی ہے۔

۱۹۳۰ء میں ریاست کے سرکردہ چند مسلم اور سکھ لیڈروں نے عوام کے مطالبات کی ایک فہرست مرتب کی جو کہ "نیشنل ڈیمانڈ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس پر جن لیڈروں کے دستخط ثبت ہیں ان میں سردار بدھ سنگھ جی شامل تھے۔ نیشنل ڈیمانڈ کے حق میں رائے عامہ منظم کرنے کے سلسلے میں پبلک جلسوں کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا۔ آبادی کے تمام طبقوں کا اس طرح سے ذمہ دار نظام حکومت کیلئے منظم ہونا حکومت وقت کو ناگوار گزرا۔ اور "نیشنل ڈیمانڈ" پر دستخط کرنے والے تمام لیڈر گرفتار کئے گئے ان میں سردار بدھ سنگھ جی بھی شامل تھے۔ کچھ وقت بعد تمام لیڈر رہا کئے گئے اور اس کے بعد یہاں ایک ایسی تنظیم

قائم کرنے کی طرف توجہ دی تھی۔ جس میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہو سکیں چنانچہ
نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور سردار بدھ سنگھ اس کی ورکنگ کمیٹی
کے ممبر بنائے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے نیشنل کانفرنس کے صفِ اوّل کے
رہنماؤں کے دوش بدوش ریاست میں جمہوری نظام قائم کرنے کے لئے کام کیا۔

۱۹۴۶ء میں یہاں "کوئٹ کشمیر" تحریک شروع ہو گئی تھی یہ وہ دن
تھے جب ملک میں برطانوی سامراج کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں اور انتقال
اقتدار کے لئے برطانوی لیڈروں اور ہمارے قومی رہنماؤں کے درمیان بات چیت
کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ کانگریس کی پالیسی یہ تھی کہ انتقالِ اقتدار کے معاملے
میں ریاستوں کے عوام کی رائے کو مقدم ماننا چاہئے۔ نیشنل کانفرنس چونکہ عملی طور
پر کانگریس کی شاخ کے طور پر کام کر رہی تھی۔ اس لئے اس نے بھی عوام کی رائے
کو برتری دینے کا سوال اُٹھایا اور اسی غرض کیلئے سرینگر میں کچھ جلسے ہوئے ان
میں کی گئی تقریروں کو حکومت وقت نے قابلِ اعتراض قرار دیا اور نیشنل کانفرنس کے
تمام لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ سردار بدھ سنگھ بھی گرفتار شدگان میں شامل تھے اگست
۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور اس سے پہلے ہی ریاست میں نیشنل کانفرنس
کے لیڈر رہا کر دئے گئے۔ اس کے بعد حالات بڑی تیزی سے بدلے۔ مہاراجہ کی حکومت
چونکہ الحاق کے معاملے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔ اس لئے ریاست غیر
یقینیت کا شکار ہو گئی۔ صورت حال اس وقت زیادہ ہی بگڑ گئی جب پاکستان
کی طرف سے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ریاست پر حملہ کیا گیا۔ مہاراجہ کی حکومت اس حملے
سے پیدا شدہ صورت حال کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہی لیکن نیشنل کانفرنس
کے لیڈروں نے پہل کر کے عوام کے حوصلوں کو برقرار رکھا۔ ان ایام میں سردار بدھ
سنگھ نے دن رات کام کیا اور ایمرجنسی حکومت کے ایک رکن کے طور پر اپنے

فرائض مستعدی سے انجام دئے۔

۱۹۴۸ء میں جب ریاست میں پہلی نمائندہ وزارت بنی تو سردار صاحب
کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔ اور کئی سال تک وہ منسٹر کے طور پر کام کرتے رہے۔ آپ نے
ایک سال تک نیشنل کانفرنس کے صدر کے طور پر بھی اپنے فرائض بڑی ہوشیاری
سے انجام دئے۔ عہدِ حاضر میں جب سیاست کو ذاتی مفادات اور خواہشات کی
تکمیل کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ سردار بدھ سنگھ ایسے بے لوث رہنما کی یاد آنا قدرتی ہے
وہ سوشلزم کے نعرے بلند نہیں کرتے تھے لیکن ان کے تصور میں جو سماجی اور
اقتصادی ڈھانچے کا تصور تھا وہ اشتراکی نظام ہی تھا یعنی ایک ایسا نظام جس
کی بنیاد مساوات اور انصاف پر قائم ہو اور جس کے تحت ہر مذہب کے لوگوں
کو ترقی کرنے کے لئے یکساں مواقع میسر ہوں۔ وہ بار بار سیکولرازم کا نعرہ بلند نہیں
کرتے تھے لیکن عمر بھر انہوں نے کبھی ہندو مسلم اور سکھ کے معنوں میں نہیں سوچا
وہ انسانیت کے پجاری تھے اور ان کا اصول یہ تھا کہ انصاف سب کے ساتھ ہونا
چاہئے خواہ وہ کسی مذہب یا عقیدے کے ماننے والے کیوں نہ ہوں۔ سردار بدھ سنگھ
کبھی اپنی قربانیوں کا حوالہ نہیں دیتے تھے لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ
انہوں نے عوام کی خدمت کرنے کے لئے وزیر وزارت کا عہدہ چھوڑا۔ بدھ سنگھ
کی سادگی اور انکسار قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ انہوں نے کبھی عیش و عشرت کی
خواہش نہیں کی اور عوام کے مفاد پر اپنے عزیزوں کے مفاد کو کبھی ترجیح نہیں
دی۔ وہ ایک مخلص رہنما تھے اُن کی زندگی ہر قسم کی آلائشوں سے پاک و صاف تھی
اور مرتے دم تک اس مقصد کیلئے کوشاں رہے کہ ریاست میں ایک ایسا سماجی اور
اقتصادی نظام قائم ہو جس کے تحت زیادہ سے زیادہ لوگوں کا بھلا ہو اور ہر شخص کو
سر چھپانے کے لئے مکان، تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا اور کھانے کے لئے وقت

کی روشنی ملے۔

آج سردار بدھ سنگھ جی ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن یہاں کے عوام ان کو ہمیشہ مہاتما اور تیاگ مورتی کے طور پر یاد کریں گے شاعر نے ایسی ہی بزرگ ہستیوں کے متعلق کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

●

رشید تاثیر

مجاہد آزادی

تحریک آزادی کشمیر کو جن لوگوں نے اپنے بلند عزائم، حوصلے اور قیادت سے سنوارا ہے اُن میں تیاگ مورتی مہاتما بدھ سنگھ کا نام سر فہرست ہے۔ آئندہ کا مورخ جب تحریک حریت کشمیر کو رقم کرے گا تو سردار بدھ سنگھ کا نام اُن کی بے لوث قیادت کی بنیاد پر ریاست کے صف اول کے قائدین کے زمرہ میں سنہری حروف میں لکھے گا۔

تیاگ مورتی مہاتما بدھ سنگھ جی ۳ مئی ۱۸۸۰ء میں میرپور کے ایک چھوٹے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اکانوے برس کی عمر پا کر ۱۲ مئی ۱۹۷۰ء کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔ چونکہ ان کی والدہ بابا گورو نانک جی سے زبردست عقیدت رکھتی تھیں۔ آپ نے انہی کے مذہب کو اپنا لیا۔ اور سدا کے لئے اسی کے پیرو ہو گئے۔ آپ نے اپنا تعلیمی دور جموں، سرینگر اور لاہور میں مکمل کیا۔ ریاستی حکومت میں نائب تحصیلدار کے عہدے سے پر تعینات ہو گئے۔ ان کی دیانتداری اور فرض شناسی نے انہیں جلد ہی تحصیلدار اور بعد ازاں وزیر وزارت یعنی ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر پہنچایا۔ مگر ان کے دل میں ریاستی عوام کی بے بسی اور مظلومیت کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی بھلا ایسے دل و دماغ والے انسان سرکاری ملازمت پر کہاں تک قناعت کر سکتے۔ ۱۹۲۵ء میں آخر وہ دن بھی آ گیا۔ جب انہوں نے ڈپٹی کمشنر کے عہدے کو چھوڑنے کا پکا ارادہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ادنیٰ انگریز

ملازمت کے لئے ریاستی باشندے سر دھڑ کی بازی لگایا کرتے تھے۔ پھر بھی
جس کسی کو سرکاری ملازمت ملتی تھی تو وہ اُسے جوئے شیر لانا
سمجھتا تھا۔ لیکن ایک مہاشا بدھ سنگھ جی تھے۔ جنہوں نے سرکاری
ملازمت محض ریاستی عوام کی آزادانہ خدمت گذاری کے لئے چھوڑ دی
اور ایسا کوئی غیر معمولی کردار کا آدمی ہی کر سکتا تھا۔ سرکاری ملازمت کے
دوران آپ نے اپنے فرائض نہایت ایمانداری اور قابلیت سے انجام دئے۔
۱۹۱۱ء تک اُس زمانے میں کمشنر بندوبست مسٹر ڈال بٹ (جو ایک انگریز تھا)
عوام کی احسن کارکردگی سے محظوظ ہو کر ان کے اعزاز میں ایک خاص
تقریب میں "پروانہ خوشنودی" پیش کیا۔ مہاشا بدھ سنگھ نے دوران ملازمت
ریاست کے انگریز وزیر اعظم مسٹر ویکفیلڈ کے جابرانہ اقدامات پر اُس سے
زبردست ٹکر لی۔

آپ نے ریاستی عوام میں سیاسی و اقتصادی بیداری پیدا کرنے
کیلئے کئی پمفلٹ تحریر کئے۔ جن میں "مسودہ ملازمت"، "کسان کی
داستان" "غریبوں کے دُکھوں کا علاج" "فریاد رعیت" "انصاف کی
تلاش" "دردِ دل" "میری کراچی یاترا" نے کافی شہرت حاصل کی۔ ان
پمفلٹوں میں جہاں مہاشا بدھ سنگھ نے ریاستی عوام کی زبوں حالی اور
جاگیردارانہ نظام کی چیرہ دستیوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔ وہاں ان سے
نجات پانے کیلئے ریاستی عوام کو انتباہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو زیور تعلیم
سے آراستہ کریں۔ اور ظالم کے سامنے مظلوم بن کر رہنے پر قناعت نہ کریں
چنانچہ ان کی اس جرأت مندانہ تحریروں اور تقریروں کی بنا پر انہیں تین بار ڈوگرہ
سبھا کا صدر چنا گیا۔ گو کہ ڈوگرہ سبھا ریاستی شاہی خاندان کے زیر سرپرستی

تھی۔ مگر مہاشا بدھ سنگھ نے ڈوگرہ سبھا کو ایک عوامی پلیٹ فارم میں
تبدیل کیا۔ اب ڈوگرہ سبھا کے پنڈال سے شاہی خاندان کی قصیدہ گوئی
کے بجائے عوامی مسائل اُبھر کر صرف شاہی خاندان کے افراد کی بجائے
عوام کو سننے لگے۔ بلکہ عوام میں احساس پیدا ہونے لگا کہ ان کے مصائب کا علاج
شاہی خاندان کی بے جا ہاں میں ہاں ملانے میں نہیں بلکہ اقتدار میں برابر کا شریک
ہونے میں ہے

چنانچہ ۱۹۲۵ء میں جب آپ کو ڈوگرہ سبھا کی صدارت کے فرائض
تفویض ہوئے۔ تو آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا۔

"چونکہ جب مظلوموں کی آہیں اُس مالک کل تک پہنچتی ہیں تو اُس
کی طرف سے خاص انسانی ہستیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو محض خلق خدا کی
خدمت اور تمام بے انصافیوں، خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو
وقف کر دیتی ہیں۔ اور یہ ایسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ راجہ پرجا کے
دئے ہوئے اختیارات، طاقت، اقتدار کا استعمال قانون قدرت کے
مطابق آزادی، مساوات، حق و انصاف سے نہیں کرتا۔"

سردار بدھ سنگھ نے ڈوگرہ سبھا کے تیرھویں اجلاس منعقدہ جموں
۱۹۲۵ء کے اپنے خطبہ صدارت میں جاگیردارانہ حکومت کو اشاروں اور
کنایوں میں، ریاستی عوام کی زبوں حالی کے بارے میں ہدف ملامت بنایا۔
خطبہ صدارت کا یہ اقتباس قابل غور ہے۔ جس میں آپ نے باتوں باتوں میں
ریاستی عوام کی تکالیف و مصائب کا تذکرہ کیا ہے۔

"جہاں تکلیف و نقصان کے باعث اور ان میں دن بدن
اضافہ کرنے والے حسب ذیل امور ہیں۔ تمام خرابیاں، بد اعتقادی، نفرت

پھیلانے والی"، مذہب کو سلب کرنے والے قوانین اور نوٹیفیکیشن، رشوت ستانی، اقربا بازی، پنچایت سسٹم کا نہ ہونا، بیگار، درختان توت کے متعلق قانون، تعلیم، صنعت و حرفت کے کارخانوں کا نہ ہونا، کاریگروں کی حوصلہ افزائی نہ کرنا۔ شراب نوشی، سگریٹ، تمباکو، چرس، چنڈو وغیرہ منشیات، بردہ فروشی، عدم موجودگی تدابیر انسداد قحط، کاہچرائی و آبیانہ اور بندوبست دوامی کی پیچیدگیاں، تعلیم کا عام فہم اور پیچیدہ اور قومی نہ ہونا، بدیشی کپڑے اور دیگر غیر ضروری نمائشی اشیاء کا استعمال، کنڈی علاقہ جات میں پانی کی قلت، انتظامی و جوڈیشل اختیارات کا جداگانہ نہ ہونا، قصبہ جات، دیہات اور فصلات میں صفائی کا انتظام نہ ہونا، انسانی بیماری، مویشیوں کی بیماری کا خاطر خواہ علاج نہ ہونا، رفاہ عام کے لئے سڑکیں اور پگڈنڈیوں کا مفقود ہونا کم تنخواہ چھوٹے ملازمین کیلئے رشوت ستانی کا باعث ہے"۔

مگر اس سب کے باوجود سردار بدھ سنگھ ڈوگرہ سبھا کے پلیٹ فارم سے بھی وسیع پنڈال کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جب سرینگر میں پہلی بار کشمیریوں نے شہری حقوق اور مکمل مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لئے تحریک شروع کی، اور جو بعد ازاں مکمل سیاسی طور پر مسلم کانفرنس کے نام سے وجود میں آگئی۔

مسلم کانفرنس کے پنڈال سے جہاں مسلمانوں کے غصب شدہ حقوق کا تذکرہ کیا جانے لگا۔ وہاں ریاست کے جملہ غیر مسلموں کے حقوق بحال کرنے کے لئے بھی زور و شور سے مطالبات ہونے لگے۔ جب مسلم کانفرنس کے زعماء جب کوئی بات کرتے تھے یا تحریک چلاتے تھے۔ تو وہ صرف مسلم کیلئے محدود نہیں ہوتی

جانتے تھے۔ بلکہ بحیثیت مجموعی اقتصادی، سیاسی اور آبادی کے جملہ طبقوں کے حالات زیر نظر رکھ کر ان کا حل تلاش کرتے تھے۔ مسلم کانفرنس کا یہ طریقہ کار غیر مسلموں کو بھی بھانے لگا۔ البتہ اکثر غیر مسلم راہنما محض مسلم نام کی وجہ سے اس پلیٹ فارم کے قریب آنے سے کتراتے تھے۔ مگر سردار بدھ سنگھ ان چند دور اندیش غیر مسلم ریاستی سیاست دانوں میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے مسلم کانفرنس کے سٹیج کو ایک موزوں فورم قرار دیکر اس سٹیج سے اللہ اکبر کے نعروں کے درمیان اپنے بلند خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ ان کی تقلید کرتے ہوئے کئی دوسرے غیر مسلم رہنماؤں نے بھی مسلم کانفرنس کے سٹیج پر جاگیردارانہ نظام کو للکارنا شروع کیا۔

چنانچہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ریاستی اسمبلی کا پہلا اجلاس جموں میں منعقد ہوا جس میں سردار بدھ سنگھ نے میرپور پونچھ کے سکھوں کے منتخب نمائندے کی حیثیت میں شرکت کی۔ یہ اجلاس ۲ نومبر ۱۹۳۴ء تک جاری رہا۔ اس سیشن میں وزیر اعظم نے ریگولیشن ۱ آف سمت ۱۹۹۱ جو کہ اپریل ۱۹۳۴ء کے تیسرے ہفتے میں شائع ہوا تھا پڑھ کر سنایا۔ جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات درج تھے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے اسمبلی کے وجود میں آنے پر پیغام تہنیت بھی شامل تھا۔

اسمبلی کے اس سیشن میں مسلم کانفرنس پارٹی کے لیڈر میاں احمد یار خان نے اپنی جماعت کا نقطہ نظر پیش کرتے کہا "اس وقت جو ڈھانچہ پیش کیا گیا اور جو آئین ہمارے سامنے رکھا گیا ہے۔ اس سے بہتر آئین کے ریاستی عوام مستحق ہیں"۔

اسمبلی میں سردار بدھ سنگھ واحد غیر مسلم ممبر تھے جنہوں نے

میاں احمد یار خان کی تائید کی۔ اور حکومت پر زور دیا کہ وہ اس آئینی خاکے کو کالعدم قرار دیکر ریاستی عوام کے منتخب ممبروں کو ریاست کے لئے آئین سازی کا کام سونپ دے۔ اس طرح جو آئین تیار ہوگا وہ زیادہ بہتر اور عوامی امنگوں کا ترجمان ہوگا۔ جموں کی ڈوگرہ سبھا نے بھی مسلم کانفرنس کے نقطۂ نظر کی تائید کی۔

۲۵-۲۶-۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو مسلم کانفرنس کا چوتھا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے بعد ریاست میں ہندو مسلم اتحاد کی واضح شکل ذمہ دار اسمبلی ڈے منانے کی صورت میں سامنے آئی۔ ۸ مئی ۱۹۳۶ء کو ریاست کے طول و عرض میں ذمہ دار اسمبلی ڈے منایا گیا اکثر مقامات پر غیر مسلموں کی صدارت میں جلسے جلوس نکالے گئے اور قراردادیں پاس کی گئیں۔

جولائی ۱۹۳۶ء میں متحدہ قومیت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ہندو مسلم اور سکھ نوجوانوں نے کشمیر یوتھ لیگ کی بنیاد سردار بدھ سنگھ کی سرپرستی میں ڈالی۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو سردار بدھ سنگھ نے اسمبلی کے سرینگر اجلاس میں اسے "کھلونا اسمبلی" پکارتے ہوئے ایک ولولہ انگیز تقریر کے بعد اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ ان کی اس حب الوطنی اور قوم پرستی کی تائید کرتے ہوئے مسلم کانفرنس کے منتخب ممبران نے ۲ نومبر ۱۹۳۶ء کو بجٹ کا بائیکاٹ کرتے ہوئے کاہچرائی بل کو واپس نہ لئے جانے پر استعفیٰ دے دیا۔

۱۸ اگست ۱۹۳۶ء کو مسلم کانفرنس نے ذمہ دار نظام حکومت ڈے کے طور پر منایا۔ سرینگر شہر میں جو جلوس اس ضمن میں ترتیب دیا

تھی۔ اس کی قیادت شیخ محمد عبداللہ اور بدھ سنگھ اپنے کندھوں پر ذمہ دار نظام حکومت کی تختیاں لئے کر رہے تھے۔

۲۸ اگست ۱۹۳۸ء کو قومی مطالبہ کے نام سے ریاستی رہنماؤں نے ایک دستاویز مرتب کی۔ جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ریاست کے موجودہ طرز حکومت کے بجائے ایک ذمہ دار نظام حکومت قائم کیا جائے کابینہ وزارت جموں و کشمیر کی مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہو مجلس قانون سازی کی طور پر ایسے حلقہ جات سے منتخب شدہ اراکین پر مشتمل ہوگی جو حلقہ جات حق رائے دہی بالغاں کی بنیاد پر قائم کئے جائیں گے۔ مجلس قانون ساز کا انتخاب مخلوط بنیادوں پر ہوگا۔ اور اقلیتوں کو ان کے جائز لسانی، مذہبی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی تحفظات دئے جائیں گے ریاست کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل حفاظتی افواج میں بھرتی ہونے کے مستحق ہونگے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی رعایا کو کوئی بھی فرد کشمیر کی آزادی، حق جائداد، حق انجمن سازی، تحریر و تقریر سے روکا نہیں جا سکے گا۔ وغیرہ۔ اس دستاویز پر دستخط کرنے والوں میں سردار بدھ سنگھ بھی شامل تھے۔ دستاویز کے مشتہر ہوتے ہی جاگیردارانہ نظام نے نہ صرف دستخط کنندگان کو گرفتار کر لیا۔ بلکہ ان کے دوش بدوش عام لوگوں کو بھی قید و بندگی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا۔

چھ ماہ قید کے بعد جب سردار بدھ سنگھ دوسرے رفقاء کے ساتھ رہا کئے گئے۔ تو انہوں نے ایک قومی تنظیم ترتیب دینے پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ پھر جب مسلم کانفرنس نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہوئی۔ سردار بدھ سنگھ اس قوم پرست جماعت کے صف اول کے رہنماؤں

میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ واحد غیر مسلم رہنما ہیں جو نیشنل کانفرنس کے دو بار صدر چنے گئے۔

۱۹۴۰ء میں سردار بدھ سنگھ کو پہلی بار نیشنل کانفرنس کے صدر کے فرائض تفویض ہوئے۔ ان دنوں ریاست کے وزیر اعظم سر گوپال سوامی آینگر تھے۔ انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو قانون اسلو اور حکومت کے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں فارسی رسم الخط کے دوش بدوش دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کا مشورہ دیا۔ چونکہ دونوں تجاویز میں حکومت کو اپنے مقاصد کی تکمیل نظر آنے لگی۔ اس لئے ان پر فوری عملدرآمد شروع کرنے کی پہل کی گئی۔

۲۴-۲۵ نومبر ۱۹۴۰ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے سردار بدھ سنگھ کی قیادت میں کیبنٹ آرڈر کو غیر دانشمندانہ اور شر انگیز قرار دیا۔ اور ان احکامات کی مذمت کر کے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ ان احکامات کو واپس لے۔

نیشنل کانفرنس نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ صدر سردار بدھ سنگھ نے وزیر اعظم گوپال سوامی آینگر کو کئی خطوط لکھے جن کے نتیجے کے طور پر حکومت قانون اسلو کے بعد فارسی دیوناگری رسم الخط کو رائج کرنے کی ہمت کھو بیٹھی۔

۲۴ اگست ۱۹۴۱ء کو سرینگر میں نیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں سردار بدھ سنگھ کو ایک اور بار صدارت کے فرائض تفویض ہوئے۔ اس اجلاس میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر پشاور سے خان عبدالغفار خان آئے تھے۔ اور انہوں نے سردار بدھ سنگھ کی صدارت

میں کانفرنس کے کھلے اجلاس سے خطاب کیا۔ سردار بدھ سنگھ نے اپنے خطبہ صدارت میں برطانوی حکومت سے مخاطب ہو کر کہا۔

"۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہندوستان کے کانوں نے ناگاہ یہ آواز سنی کہ ہندوستان بھی اس جنگ (دوسری جنگ عظیم) میں شریک ہے۔ اس وقت ہندوستانیوں کو نئے سرے سے احساس ہوا کہ غلامی کیا چیز ہے اور ایک آزاد قوم اور غلام قوم میں کیا فرق ہے۔ اس اعلان کے بعد ہندوستان کے رہنماؤں نے بار بار برطانوی حکومت سے دریافت کیا کہ اس جنگ کا مقصد کیا ہے اور اگر وہی مقصد ہے جس کا بار بار اعلان کیا جا رہا ہے۔ یعنی جمہوریت و آزادی کا تحفظ۔ تو پھر ہمیں بھی بتلایا جائے کہ ہم کب تک ان پاک اور زندگی بخش اصولوں میں حصہ دار ہونے کے قابل سمجھے جائیں گے۔"

ہندوستانی والیان ریاست کے اس اعلان پر کہ وہ نازی جرمنی کے مظالم کا مقابلہ کرنے اور دنیا کی جمہوریت اور آزادی کو ہٹلر کے پنجے سے بچانے کے لئے تیار ہیں۔ سردار صاحب نے جواب دیتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں کہا۔

"اگر ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں نوابین، مہاراجوں کی رعایا اُس آزادی کے حقوق سے مستفید ہوتی۔ جس آزادی اور جمہوریت کو بچانے کیلئے حضرات سمندر پار اپنی جانی اور مالی امداد پیش کرنے کا اعلان فرما رہا ہے۔ مگر ریاستوں کے اندر کیا صورت ہے؟ ——— اگر ہندوستان کو ایک بڑا جیل خانہ تسلیم کر لیا جائے۔ تو دیسی ریاستیں اُس جیل خانے کی کال کوٹھڑیاں ہیں۔ ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں انسانی آزادی

پر جو پابندیاں عائد ہیں ترقی کے اس دور میں اُن کی مثال شاید افریقہ کے جنگلوں میں بھی ملنی مشکل ہو۔"

خطبۂ صدارت میں ریاست جموں و کشمیر کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ نے کہا: "ہماری ریاست جو ۸۴ ہزار مربع میل کے رقبہ اور چالیس لاکھ سے زائد انسانی آبادی پر مشتمل ہے، شمالی ہندوستان کی اہم ترین ریاست ہے جس کی سرحدیں تبت، چین، روس اور افغانستان سے ملی ہوئی ہیں۔ اور اس ریاست کی اس سرحدی پوزیشن کا تقاضا ہے کہ اس کے باشندے نہ صرف اپنی بلکہ تمام ہندوستان کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر دیوار ثابت ہوں۔ مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ریاست کے باشندوں کی علمی، اقتصادی، جسمانی، دماغی، معاشرتی اور سیاسی ترقیات ضروریات زمانہ کے مطابق ہوں۔ اور ان پر ایک نظامِ حکومت کارفرما ہو۔ جو ذمہ دار ہونے کے باعث قومی ترقیات کی نشوونما میں ممد ثابت ہو سکے۔ مگر حالات بدقسمتی سے یہ ہیں کہ کشمیر بیرونی لوگوں کے لئے جنت نظیر ہونے کے باوجود اپنے باشندوں کے لئے جہنم کا نمونہ ہے۔ وہ اس کی فضا میں آزادی سے سانس بھی نہیں لے سکتے۔ وہ سیاسی غلامی کے علاوہ اب تو نئے قانونوں کے ذریعہ نہتے بھی کر دئے گئے ہیں۔ انہیں اسمبلی کے نام سے ایک کھلونا سپرد کیا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی شکل و صورت بھی بگاڑ دی جاتی ہے کہ وہ ایک بے جان لاش بن کر رہ جاتی ہے۔"

سردار صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں مختلف موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آپ نے ریاستی باشندوں پر مصائب اور ان کے ازالہ کے لئے بہت کچھ کہا۔ ناقص تعلیمی طریقہ کار کو بہتر بنانے کے لئے اپنے

وزیروں مشوروں سے استوار، صحت و تندرستی، بے روزگاری، جنگلات، محکمہ مال، پولیس، امداد باہمی، محکمۂ اطلاعات، وزیر اعظم کی ڈکٹیٹرشپ، اپیل قائم کرنے کا مقصد، ذمہ دار نظامِ حکومت، مذہب کی آڑ میں سرمایہ داری، غیر ذمہ دار حکومت کے داؤ پیچ، کھوکھلے سرکاری اعلانات اور پبلسٹی کا تقرر کا عندیہ کے عنوانات کے تحت مختلف موضوعات پر بحث و تمحیص کی اور ریاست کے لوگوں کو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے منظم ہو کر آزادی اور عوامی کامرانی کے لئے جدوجہد کرنے پر زور دیا۔

کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران آپ نے کئی عوامی جلسوں سے خطاب کیا۔ اور گرفتار ہوئے۔ ان پر بھی بغاوت کا مقدمہ دائر ہوا۔ عدالت میں آپ نے معاہدہ امرتسر کو "دو ڈاکوؤں کے درمیان چوری کے مال پر معاہدہ قرار دیا۔" ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا، ریاست میں شیخ صاحب کی قیادت میں حکومت قائم ہوئی۔ آپ کو وزارت اطلاعات کا قلمدان سونپا گیا۔ اس عہدے پر آپ ۱۹۵۰ء تک فائز رہے۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ ممبر پارلیمنٹ رہے۔ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے مقرر اور مصنف تھے۔ آپ کی زندگی بلند خیالات اور ایثار کی مجسمہ تھی۔ آپ کی وفات پر ریاست کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے ماتمی جلسے کئے اور لمبے چوڑے بیانات اخباروں میں دئے۔ مگر تا حال کسی جماعت یا حکومت نے اس عظیم شخص کے نام پر کوئی یادگار قائم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ تا حال شیخ صاحب کی موجودہ حکومت نے بھی اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ حکومت جس کے سربراہ جناب شیخ محمد عبداللہ ہیں اور جو سردار بدھ سنگھ کے نہ صرف

قربانیاں عمل میں لائے ہیں بلکہ ان دونوں نے ریاست کی آزادی اور خوشحالی
کے لئے ایک لمبی لڑائی لڑی ہے۔ اس لحاظ سے بھی شیخ صاحب پر
یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس فقیرانہ زندگی بسر کرنے والے بے لوث قائد
کی ایک شاندار یادگار قائم کرنے میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔

ملک عبدالغنی سوپوری:

مجسمہ ایثار

میری واقفیت کے مطابق سردار بدھ سنگھ جی نے اپنی زندگی سرکاری
ملازمت سے شروع کی۔ اور اسی ملازمت کے سلسلے میں پاکیزگی اور درد
دل کے اثبات لوگوں کے دلوں میں برابر موجود ہیں۔ لیکن حقیقت میں سردار
بدھ سنگھ جی تحریک کشمیر کے حقیقی بانی ہیں۔ اور سب سے پہلے وہی حکومت
کے شاہی عتاب کے شکار ہوئے ہیں۔ سردار جی کو جن حالات نے تحریک
میں کودنے پر مجبور کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

انہوں نے کہا کہ

کلیجہ تھام لو۔ اب دل جلے فریاد کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ریاست پنجاب کی حدود سے لیکر تبت، چین اور
روس کی سرحد تک شمالاً، جنوباً تین سو میل چوڑی اور چین تبت سے
لیکر صوبہ سرحد تک ساڑھے تین سو میل قریباً چوڑی ہے۔ اس میں دو
بڑے صوبے جموں و کشمیر ہیں اور تیسرا سرحدی علاقہ ہے جو ضلع لداخ
گلگت اور پونچھ پر مشتمل ہے۔ اسمیں مختلف علاقہ جات ہیں۔ اور ان
کے اندر کئی فرقے، مذہب اور نسل کے لوگ ہیں۔ جن کا تمدن، کلچر، زبان
لباس اور رسم و رواج، خوراک اور طرز زندگی مختلف ہے۔ قریباً چالیس لاکھ
کی آبادی ہے۔ اس ملک کے اندر آج تک سینکڑوں بادشاہ حکومت

کر چکے ہیں۔

صدیوں سے یہاں کے باشندے خصوصاً کسان اور مزدور طبقہ غربت، غلامی اور مظلومیت کا بری طرح شکار رہے ہیں۔ اور ابھی تک باوجودیکہ ممالک و قومیں آگے بڑھ چکی ہیں، یہ بدنصیب ملک ابھی تک بدستور سابقہ نامعقول خود سرانہ دور میں رہتا ہوا عجیب قسم کے حالات میں پسماندگی کا شکار ہے۔ اس ریاست کی سالانہ آمدنی چار کروڑ روپیہ ہے۔ اس میں ۴۲ لاکھ روپیہ کسٹم اور باقی جنگلات وریشم خانہ کی بڑی رقوم شامل ہیں۔ قریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ براہ راست عوام خاص کر غریب کسانوں جن کی تعداد ۹۵ فیصدی ہے سے وصول ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تقریباً ۲ کروڑ روپیہ تو صرف بھاری تنخواہوں، محلہ فوج و پرائیویٹ شاہی اخراجات پر خرچ ہوتا ہے۔ باقی پچاس لاکھ میں سے پبلک ورکس، تعلیم و شفاخانوں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کا تھوڑا بہت حصہ دیہات پر خرچ ہوتا ہے۔ حالانکہ بمقابلہ شہریوں کے دیہاتی لوگ خاصا روپیہ خود مہیا جمع کرتے ہیں۔ یہ ایک زراعتی ملک ہے اور یہاں ۹۵ فیصد کسان اور مزدور آباد ہیں۔ ان پر جو کچھ گذرتی ہے۔ اور اب تک جس مصیبت اور دکھ کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کی کیفیت دردناک اور دل ہلا دینے والی ہے۔

آبادی دو طبقوں میں تقسیم ہے۔ لہذا دو مختلف جماعتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو اقتصادی اور سیاسی پہلو میں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑی ہیں۔ قریباً ۴۰ لاکھ انسانوں میں سے ۸ لاکھ ہندو اور ۶۰ ہزار سکھ، ۳۰ لاکھ مسلمان اور ۶۰ ہزار دیگر ذاتوں کے لوگ آباد ہیں۔ اور یہ ہر دو جماعتوں میں منقسم ہیں۔ ایک جماعت میں رئیس، راجے، نواب، جاگیردار، سرمایہ دار، دولت مند، کارخانہ دار، ساہوکار، ملازمین سرکار، ذیلدار، نمبردار، اور وہ آسودہ لوگ ہیں، جن کے مفاد خصوصی کا تحفظ موجودہ غیر ذمہ دار نظام حکومت کا مرہون منت ہے۔ ان میں بدقسمتی سے مذہبی پرچارک، گیانی، پنڈت، سنت، سادھو کہلانے والے خاص کر جو بڑی گدیوں، زیارت گاہوں کے مالک ہیں۔ اور بڑے بڑے ڈیروں اور تھڑوں پر قابض ہیں۔ اور جن کو چڑھاوا وغیرہ کے ذریعے روپیہ ملتا ہے، بھی شامل ہیں۔ یہ لوگ اپنے فرقے کے سادہ لوح لوگوں کی طرف سے انہیں بہشت، دوزخ، نجات، وصال یار کا، ایشور ملاپ، راحت ابدی کی امید دلا کر اور پھر تقدیر اور قسمت کے چکر میں ڈال کر خاصا روپیہ وصول کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے خالی الفاظ گیان، جنتر منتر وغیرہ پرچار کے بہانے سے تمام مادی طاقت، تلوار بندوق کے بغیر محض اپنے زیر اثر لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے۔ اور انکو گمراہ کر کے ان کو نہ صرف کسی نہ کسی طرح لوٹا جاتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ جو غیر ذمہ دار نظام حکومت کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہیں اور ان متولیوں، سجادہ نشینوں، پجاریوں اور مسند دھاریوں اور جنگلوں کو مجبور دلا کر حکومت اپنے قابو میں رکھتی ہے اور موقعہ پڑنے پر ان کی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے۔

دوسری جماعت میں کسان، نادار مزدور اور پریشان حال بیکار نوجوان جن میں تعلیم یافتوں کی بھی کافی تعداد ہے، موجود ہیں اور ان کے علاوہ بھی کئی مظلوم عنصر شامل ہیں۔ ان ہر دو جماعتوں میں

مذہب و ملت اور فرقہ کے آدمی ہیں۔ اب دوسری جماعت کی درد و غم
کی کہانی اور کیفیت سُنئے۔

میرے دل و دماغ میں دنیاوی عیش و آرام اور تفریح کی قطعاً
کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ:

ہر درد مند دل کو رونا مرا رُلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

گزشتہ نصف صدی میں میری آنکھوں نے کئی رنج دیکھے
غریب باشندگانِ ملک کو اذیت دیئے، عذاب پہنچانے کے کئی دردناک
بھیانک نظارے دیکھے۔ ڈھائی من سے زیادہ تختہ کے بڑے صندوق
جو اونٹوں پر جموں سے کشمیر لائے جاتے تھے، اور جو بارش کی وجہ سے
بانہال چڑھائی نہیں چڑھ سکتے تھے ایک ایک بیگاری کی پیٹھ پر لَد
رکھ دیئے گئے، جب وہ اُٹھا نہ سکے تو وہ دو دو کے
سپرد کر دیئے گئے۔ اب اس قدر بلندی، دشوار گذار چڑھائی
کے راستے پر اتنے بھاری بوجھ کو اُٹھا کر پیر پنچال پر چڑھنا
کس قدر مصیبت اور عذاب ہے۔ اس مصیبت کے مارے بیگاریوں
کو خون کے آنسو روتے دیکھا اور اس طرح کشتواڑ، رام بن کے علاقہ
جات میں ۱۲، ۱۴ ہزار فٹ بلندی پر برفانی چوٹیوں پر ڈیڑھ ڈیڑھ
من بختہ بوجھ پیٹھ پر اُٹھائے شدّت کی گرمی میں بیگاریوں کو پہاڑ
پر چڑھتے دیکھا۔ ان کے دم پھول رہے ہیں، پسینے سے تربتر ہیں، اکثر
پیٹھ چھیلی ہوئی زخمی دیکھی اور پھر سخت سردی اور برف میں بوجھ
بوجھ کے تلے پھسلتے گرتے دیکھا۔ برف سے اکثر بیگاریوں کے ہاتھ پاؤں

اور آنکھیں خراب ہوتے ہوئے دیکھیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں کی
تعداد میں بیگاریوں کو گرفتار کئے ہوئے اور کئی کئی دن ایک جگہ بھیڑ
بکریوں کی طرح زیرِ حراست رکھے ہوئے دیکھا، اور کئی دن گھروں سے
غیر حاضر رہنے سے اُن کے مال مویشی، بال بچے، بیوی کی حالت خراب دیکھی۔
ان بیگاریوں میں کشمیر اور بانہال میں مسلمان، باقی جگہوں میں ہندو انہیں
ٹھاکر جنہیں اب اچھوتوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اچھوت ہریجن سب
ہی شامل ہیں، جو بیگار میں پکڑے جاتے ہیں۔

انتہا یہی نہیں بلکہ چھوت چھات کا شدید ترین نفرت آمیز رویہ
دیکھا، غریب اور نادار لوگوں کو علاج معالجہ کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ
سے بے موت مرتے دیکھا۔ ساہوکاروں، سرمایہ داروں کا جور و جبر اور
عوام کی کمائی کا استحصال کرتے دیکھا۔ یہ لوگ عوامی محنت کا بھی استحصال
کرتے تھے۔ جیلوں میں بے کس اور بے بس لوگوں کو کسمپرسی کی حالت میں
دیکھا۔ رشوت ستانی افسروں اور ادنیٰ ملازموں کا لوٹ کھسوٹ اور دورُخا
پن دیکھا۔ پولیس کی بربریت اور لاقانونی نظام دیکھا۔ اور یہی وہ باتیں
ہیں جن کو سنگ دل آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

ابھی تک میں ملازم سرکار ہی تھا۔ اور کشمیر میں ملازمت کے سلسلہ
میں رہ چکا تھا۔ اور سب حالات میرے دل و دماغ میں نقش ہو چکے تھے اور میں
اکثر اُن خیالات میں فکر مند ہو کر رات کو نہیں سو سکتا تھا۔ میرے دل و دماغ
میں جوش تھا ولولہ تھا اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ مجھے
میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ اور اس حال میں میں نے سن ۱۹۵۰ء بکرمی میں
رخصت حاصل کی اور کشمیر آیا۔ کشمیر میں میں پہلے رہ چکا تھا۔ اور یہاں

مزدوروں، کسانوں کے ساتھ بے رحمی دیکھی۔ بیگاریوں کے ننگے جسم پر چابک لگتے دیکھے۔ یہاں جب بھی کسی صاحب کا ڈیرہ آتا۔ وہ سپاہی ہوتا یا پٹواری یا اور کوئی صاحب تو لوگوں کو جبراً بیگاری کے لئے پکڑا جاتا تھا انتہائی درجہ کی بے رحمی دیکھیں تو اس افسانہ میں مجھ سے رہا نہ گیا تو "فریاد رعیت" کتاب لکھی اور اس کتاب میں بے پناہ مظالم بے رحمیوں اور ناانصافیوں کا کسی حد تک تفصیل سے فوٹو پیش کیا۔ اور فوراً ہی بعد دوسری کتاب "عدالت کی زندگی" لکھی اور چھپوانے سے پیشتر سرینگر جا کر معتبر بازار میں عوام کو جمع کر کے ہر دو مذکورہ کتابوں میں لکھے گئے المناک واقعات اور کتاب لکھنے کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ ان ہر دو کتابوں کو گورنمنٹ نے زیر ضبطی لا دیا۔ اور چھپوانے کی ممانعت کر دی اور بندہ (سردار بدھ سنگھ) کو جموں سے سرینگر اور پھر گلمرگ میں جوابدہی کے لئے طلب کیا۔ یہ کشمیر کے دورِ غلامی میں پہلا دن تھا۔ جبکہ حکومت کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ طشت از بام کیا گیا۔ اور یہ بات درست ثابت ہوئی کہ

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

کیونکہ اس واقعہ کے بعد مسلسل کسی نہ کسی کونے سے مظلوموں کی آواز کمزور یا زور دار نکلتی رہی۔ لیکن اس سلسلہ میں کوئی بہادر لیڈر یا کوئی منظم جماعت سامنے نہیں آئی۔ اور میں (بدھ سنگھ) تمام عیش و آرام سے بے نیاز ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کرتا رہا۔ اور دل میں صرف یہی خیال تھا کہ کوئی درد دل رکھنے والا جو صرف مجسمہ قربانی ہو۔ بہادر ہو۔ جو اس دنیا کے مظلوموں کو اُبھارے۔ تاکہ یہ قوم ذلت و خواری کی

زندگی سے آزاد ہو۔ اس سلسلہ میں میرا مشغلہ مضمون لکھنا تھا۔ ساتھ ہی میں (بدھ سنگھ) نے محسوس کیا کہ حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ اور ایک چھوٹا سا کتابچہ "کسان کی داستان" ۱۹۲۸ء میں لکھا۔ اور فوراً ہی بعد ایک اور کتابچہ "غریبوں کے دکھوں کا علاج" چھپوا کر تقسیم کیا۔ اور اب حکومت نے مجھے (سردار بدھ سنگھ) کو فوراً گرفتار کر کے قلعہ باہو جموں میں قید تنہائی میں نظر بند کیا۔ اور کتابوں کو ضبط قرار دیا۔

"ریاستی مسلمان ذلالت کی زندگی بسر کر رہے تھے کیونکہ انہیں حکومت پہلے ہی فرقہ پرست تصور کرتی تھی۔ اور یہ لوگ مظلوم، بے کس اور بے بس تھے۔ بلکہ انہیں برادرانِ وطن حقیر سمجھتے تھے۔ عوام کے دلوں میں رنجشات کا ذخیرہ تھا۔ اور اسی لئے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ کسی وقت اس بارود میں چنگاری پڑنے سے آگ لگ سکتی ہے۔"

خواجہ سعد الدین شال، رئیس کشمیر اور خواجہ نور شاہ نقشبندی نے بھی مظلوم مزدوروں اور بے کس و بے بس بیگاریوں کے خلاف ۱۹۲۴ء میں آواز اُٹھائی اور سلطنت انگلشیہ کو ایک یادداشت اس زمانے کے وائسرائے کی وساطت سے ارسال کی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کو جلاوطنی و ممانعت روزگار کی سزا بھگتنی پڑی۔ لیکن مفتی ضیاء الدین صاحب پونچھی نے ریاست سے باہر سعد الدین اور خواجہ نور شاہ کی جلاوطنی کے خلاف تحریک چلائی۔ اور انہی ایام میں ہندوستان میں جموں کے لیڈر جمع ہوئے۔ اور گوجرانوالہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں جلاوطنی کے اسباب پر تقریریں ہوئیں۔ اور ریاستی

حکومت پر دباؤ ڈالا گیا۔ اور پھر خواجہ سعد الدین شال اور خواجہ قمر شاہ
نقشبندی [illegible] کا حکم واپس لئے گئے۔

ہندوستان میں سوراج کی تحریک چل رہی تھی۔ اور کشمیر سے باہر تعلیم حاصل کرنے والے طلباء وہاں کی سیاست اور تحریک سے سبق حاصل کر کے اپنی ریاست سے متعلق حالات کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ آخر ایک دن ایسا آیا کہ ان متاثرہ طلباء میں سے ایک جری شخص شیخ محمد عبداللہ میدان عمل میں نکلا اور اسی وقت درد دل رکھنے والے سرود آوردگان نے یہ خیال کر کے کہ خدا نے ایک نوجوان کو یہاں کے مظلوموں کی آزادی کی تحریک چلانے کا فرض انجام دینے کے لئے پیدا کیا۔ اس لئے ایک کارواں کے طور اس کے قدموں کے ساتھ قدم ملانا ہی بہتر ہوگا۔ چنانچہ مولانا محمد یوسف شاہ میرواعظ، مولانا احمد اللہ صاحب میرواعظ ہمدانی، منشی شہاب الدین صاحب، خواجہ سعد الدین شال صاحب، مولوی محمد عبداللہ صاحب (ایڈوکیٹ) خواجہ غلام نبی گلکار صاحب، مسٹر عبدالرحیم، مفتی جلال الدین سید حسین شاہ جلالی، خواجہ غلام احمد عشائی وغیرہ فوراً صف آرا ہوگئے اور جموں سے سردار بدھ سنگھ جی، راجہ محمد اکبر خان، وہاب الدین منشی چوہدری غلام عباس ایڈوکیٹ، اللہ رکھا ساغر، گوہر رحمان، شیخ [illegible] صاحب وغیرہ صف آرا ہوئے اور تحریک وسیع پیمانے پر شروع ہوگئی۔ اب یہ وقت تھا کہ لوگ مرنے مارنے پر پورے طور آمادہ تھے۔ اور تحریک دبائے نہ دب سکی۔ حالانکہ کئی دفعہ ملک فوج کے حوالہ کیا گیا۔ گولی چلی، قید و بند اور گرفتاریوں کی بوچھاڑ سے بھی ان لوگوں کی آگ بجھ نہ سکی۔ اسمیں قابل ذکر اگر کوئی بات تھی تو صرف یہ تھی کہ تحریک مسلمانوں کی قیادت

میں مسلم کانفرنس [illegible] فرقہ پرست تحریک کا نام دے رہی ہے۔ اور ایک صحتی ناتوان عمر رسیدہ ... تحریک کا ساتھ دے رہا ہے۔ اور نہ باوا باپ وطن کی طعنہ زنی اس کو متاثر کر رہی ہے۔

اب یہ سمجھنا قدرے آسان ہو گیا کہ سردار بدھ سنگھ کن حالات سے متاثر تھے۔ اور ان کی زندگی محض انسانیت تھی۔ اور انسانی ہمدردی ان کے دل و دماغ میں گھر کر گئی تھی۔ وہ کسی فرقہ یا کسی رشتہ کو نگاہ میں رکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ ایک انسان، مظلوم انسانوں کے لئے زندگی وقف کئے ہوئے تھا۔

نیشنل کانفرنس کی بنیاد۔ پھر یہاں منشور اعظم کے نام سے جو مراعات دی گئیں۔ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ۷۵ ارکان کی اسمبلی بنی تو اسمیں مسلم کانفرنس پارٹی علیحدہ بن گئی۔ اور غالباً اسمیں ایک دو سکھ بھی منتخب ہوئے تھے تو انہوں نے خالصہ پارٹی قائم کرنا چاہی۔ لیکن سردار بدھ سنگھ جی نے فرمایا کہ میں زندہ اور متحرک پارٹی سے رہنا چاہتا ہوں۔ اور انہوں نے مسلم کانفرنس پارٹی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر جب [illegible] بل کے خلاف صرف ۱۳ ممبروں نے استعفیٰ دیا تو سردار صاحب نے بھی استعفیٰ دیا۔

سردار بدھ سنگھ جاہ و حشمت، تکلیف، مخالفت [illegible] اور اپنے لئے آرام کی زندگی بسر کرنے میں لاطمع تھے۔ وہ صرف درد دل رکھنے والا انسان تھا۔ وہ اس قدر [illegible] تھے کہ ریاست میں قومی یکجہتی کی فضا قائم ہو۔ اور فرقہ وارانہ ذہن ختم ہو۔ انکی یہ خواہش کسی حد تک پوری ہوئی۔ جب ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کی [illegible] مسلم کانفرنس [illegible]

نیشنل کانفرنس میں بدل گئی۔ نیشنل کانفرنس کے پہلے صدر خواجہ غلام محمد
صادق نے کہا تھا کہ جموں و کشمیر کی بیداری کی تاریخ میں آج کا دن سنہری حروف
سے لکھا جائیگا۔ اس وقت سے آج تک نیشنل کانفرنس بہت سے
طوفانوں کا مقابلہ کر چکی ہے اور بہت سی لڑائیاں لڑ چکی ہے۔ جمہوری
نصب العین اور معزز افراد و ہر دلعزیزی کی بدولت نیشنل کانفرنس
اپنی طاقت میں دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتی گئی۔

نیا کشمیر کا منصوبہ۔ سردار بدھ سنگھ جی کی خوشی
کی اس وقت انتہا نہ رہی جب ۱۹۴۴ء میں مکمل سوشلزم کو اپنا
نصب العین بنایا۔ سردار جی نے فرمایا کہ اب ہمارا نشانِ منزل مکمل ہو گیا
اور ہمیں قدم بہ قدم اس جانب گامزن ہونا چاہئے۔

سردار بدھ سنگھ بحیثیت صدر

۱۹۴۰ء میں سردار بدھ سنگھ جی نیشنل کانفرنس کے صدر
بنائے گئے اور ۲۷ ستمبر ۱۹۴۰ء کو بمقام بارہمولہ طوفان کے باوجود تاریخی
استقبالیہ مرحوم خواجہ سیف الدین شاہ نے پیش کیا۔ بارہمولہ میں یہ تاریخی
اجلاس ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ ستمبر تین دن تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں خطبہ
سردار جی نے پیش کیا وہ خود اُنکی زندگی اور ریاست جموں و کشمیر کے ماضی و حال
کی مکمل تصویر تھی۔ یہ خطبہ صدارت ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا۔

جب ۱۹۴۷ء کے بعد شیخ محمد عبداللہ کی پہلی وزارت قائم
ہوئی تو اس میں سردار جی کو کابینہ کا ممبر بنا لیا گیا۔ حالانکہ سردار جی وزیر
بننے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ کوٹھیوں میں شاہانہ
عیش و عشرت کے سامان ہوتے ہوئے خدا پرستی سے لاپرواہی ہو سکتی ہے

اپنے مخصوص ساتھیوں کے اصرار اور خواہش پر سردار جی تقریباً گیارہ سال تک پرجا
سبھا کے ممبر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

سردار صاحب کانگریس سے متاثر ہوئے۔

کانگریس شری جواہر لعل نہرو کی خواہشات پر نیشنل کانفرنس
کی امداد کرتی رہی۔ اور شیخ صاحب کو کوئٹ کشمیر کی تحریک پر گرفتار کئے
بعد جب پنڈت جواہر لعل نہرو نیشنل کانفرنس کی امداد کیلئے کشمیر آئے تو
انہیں ۲۰ جون ۱۹۴۶ء کو گرفتار کر کے حراست میں لیا گیا۔ اس پر سردار
جی کو کوئی صدمہ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ خوش ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اب ہماری
تحریک وسیع اور طاقتور ہو گئی ہے۔

اپنے ساتھیوں سے محبت

تیاگ مورتی سردار بدھ سنگھ جی آخری ایام میں جموں
میں قیام پذیر تھے۔ اور اُن کے پیروکار یا ساتھی وہاں یا تو آتے ہی نہیں
تھے یا بہت کم آتے تھے۔ ایک دن خواجہ شمس الدین سابق وزیر اعظم کو
اُن سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ جب وہ سردار جی کے پاس پہنچے تو انہوں
نے اُن کے وہاں پہنچنے پر محبت اور خوشی کا اظہار کیا۔ اور کہا بھائی تم اب
کہاں ہو۔ میں تو ابھی زندہ ہوں۔ اور کبھی کسی ساتھی کو دیکھنے کی خواہش
رکھتا ہوں۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں راقم ملک عبدالغنی سنٹرل جیل سرینگر میں تھا۔
اس موقع پر سردار بدھ سنگھ جی بھی اس جیل میں تھے۔ قیدیوں کی کثیر تعداد
تھی سیاسی قیدیوں کے ساتھ عام اخلاقی قیدیوں کا سلوک ہو رہا تھا۔ بدقسمتی
سے میں بیمار ہو گیا۔ جیل کے ہسپتال میں داخل کر لیا گیا۔ دو ماہ کے علاج معالجہ

کے بعد بھی حالت خراب ہوتی گئی۔ جیل سے باہر کے ڈاکٹر بھی منگوائے گئے۔ خون، پیشاب، پاخانہ کے ٹیسٹ بھی لئے گئے۔ لیکن حالات خراب ہوتے گئے۔ ایک دن سردار صاحب نے قیدیوں کا جلسہ بلایا۔ اور گورنمنٹ پر زور دیا کہ علاج ٹھیک یا کامیاب علاج کرایا جائے یا اس کو اپنی ذمہ داری پر رہا کیا جائے لیکن آخر کار جب اس سلسلے میں کارروائی نہیں کی گئی۔ تو پھر تمام قیدیوں کو بھوک ہڑتال شروع کرنی پڑی۔ اس کے نتیجے میں دوسری صبح کو مجھے صدر ہسپتال لایا گیا اور وہاں تین ماہ تک داخل رہا۔ اور رفتہ رفتہ صحت یاب ہوگیا۔

سردار جودھ سنگھ جی مرحوم اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن اُن کا عمل زندہ جاوید رہیگا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

●

تیاگ مورتی کے چند زرّیں اقوال

"میں سال ہا سال سے جنگلوں، پہاڑوں، غاروں میں پھرتا رہا کہ شاید مجھے اطمینان نصیب ہو، مکتی یا نجات ملے، مگر ناکام رہا۔ مجھے یہی انوبھو ہوا۔ یہی حکم ملا کہ محض تن پروری، ذاتی مفاد، اپنی غرض، شخصی مکتی و آزادی کیلئے مارا مارا پھرنا بے سود ہے۔ حقیقی اطمینان و نجات اُس آزادی کے حصول میں ہے جس میں دُنیا کی آزادی ہو۔ عوام مظلوم جنتا کی آزادی ہو۔ اس لئے غریبوں، بے کسوں، دُکھی مظلوموں کی سیوا، خدمت، ان کو آزاد کرنے، دُکھیوں کو مصیبت سے چھڑانے کی جدوجہد اور کوشش میں ہی مقصد زندگی تصور ہوگا۔"

●

"جو لوگ اپنے بزرگوں، مہاپرشوں، نیتاؤں کی قربانیوں، تپ تیاگ اور اُن کی بہترین قابل پرستش زندگیوں سے سبق نہیں لیتے اور دیش بھگتی، انسانی ہمدردی، رحم و محبت کے جذبات سے متاثر ہو کر ہر مشکل تکلیف برداشت کرنے اور اپنے آپ کو تلاشِ حق میں وقف نہیں کر دیتے اور ہر ممکن قربانی کیلئے ہر دم تیار نہیں رہتے۔ اُن سے آئندہ کسی قسم کی ملکی خدمات اور حقیقی آزادی، بحالی اقتصادی بہتری و ترقی کی اُمید رکھنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔"

●

"ہر ایک عظیم، خطرناک تحریک یا جماعت کا جو فرقہ پرست ہے
اور انسانوں میں ذات پات، اونچ نیچ، چھوٹے بڑے، رنگ و نسل، گروہ،
مذہب و ملت کی تفریق و تمیز کو بڑھاوا دیتی ہے۔ اور واحد یا کسی خاص
فرقہ و مذہب کے انسانوں کو فوقیت اور دوسروں سے نفرت، دشمنی
وحقارت کا سلوک کرتی ہے۔ اُس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔"

●

"دولت مندوں اور غریبوں میں جو عظیم فرق ہے اُسے کافی حد
تک دور کرنے کی فکر کرنا چاہیئے۔ اب دولت امارت کے نشے میں سرشار
اشخاص کو جھنجھوڑنے کا وقت آگیا ہے۔ ملک کی پیداوار خدائی برکات
اور اُن کی درست وسامان زندگی کی تقسیم بانٹ نہایت مناسب منصفانہ
ہونی چاہیئے۔ واحد تا قبضہ کرنے والوں اور استحصالی عناصر کو راستے
سے ہٹانے کے لئے جبکہ وہ بھی نہ سمجھیں اور وقت کی آواز سننے سے
انکار کردیں، کوشش کرنی چاہیئے۔"

●

"موجودہ صورت میں ضروریات زندگی کی بہم رسانی و تقسیم کے
وقت دولتمند اور غریب، محنت کش اور مزدور کا ضروریات زندگی
کے حاصل کرنے میں ایک سا نرخ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اُن کو سستے داموں
پوری اور وقت پر چیزیں ملنی چاہئیں۔ بھرے ہوئے گھروں کو جھڑا اور
غریبوں اور محتاجوں کو مفلسی، بے کاری میں جیتا رکھنا ایک عظیم
انسانی تلف ہے۔ تمام بیکاروں خاص کر کھیتی باڑی و مزدوری کا کام
کرنے والوں اور ملکی پیداوار بڑھانے اور اقتصادی ترقی میں نمایاں

پارٹ ادا کرنے کی ذمہ داری ہے کو مستقل طور پر بارہ مہینوں کیلئے پوری
مناسب مزدوری پر کام ملتا رہے۔ اور ان کی مزدوری اتنی ہو جس سے اُن کے
کنبوں کا خرچ پورا ہو سکے اور گھر کے اخراجات و ضروریات سے فارغ ہو کر
بے فکر و اطمینان سے کام میں جٹ جائیں۔"

●

"زراعتی ترقی اور خوراک، غلہ وغیرہ کی پیداوار بڑھانے کی
اہم زندگی بخش کام کی طرف پہلے فوری توجہ دینی چاہیئے۔ اور اسکو اصلی
بنیادی اور اہم ترین کام سمجھکر زبردست مہم جاری کرنی چاہیئے۔"

●

"دولتمندوں، غریبوں، سرمایہ داروں، کارخانہ داروں
اور مزدوروں کے درمیان فاصلہ کم کرنے اور ان کے معیار زندگی کا
فرق مٹانے کی کوشش کرنا وقت کی اہم پکار ہے۔"

●

"موجودہ زمانہ میں کوئی قوم کامیابی سے اپنی سیاسی و اقتصادی
منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔ جب تک وہ دنیا کے حالات کا جائزہ لے کر
قدم نہ اٹھائے۔ موجودہ ترقیات نے فاصلہ (مسافت) اور وقت کا سوال
درمیان سے اٹھا دیا ہے اور مغرب کی معمولی سی حرکت مشرق پر اثر انداز ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتی۔ جو قومیں اس [illegible] کو سمجھتی ہیں۔ اور قومی
کشتی کا لنگر [illegible] اصل مراد
پر پہنچنا انہی کا مقصد ہے۔"

●

حصہ دوم

●

"جن لوگوں نے عوام کی دولت پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ اور جو ملک کی دولت کے واحد مالک بنے ہوئے ہیں اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے محلات میں بیٹھے عیش و عشرت میں مست ہر ایک نعمت سے مالا مال ہو رہے ہیں وہ کب چاہتے ہیں کہ وہ غریبوں، مظلوموں پر رحم کریں اور انہیں آزاد کریں۔ اس لئے آزادی خود لینی ہو گی اور ہر قسم کی قربانی اس کے حصول کے لئے کرنی ہو گی، آزادی کی جنگ میں مردانہ وار۔ بہادر سپاہی کی طرح، نظم، اعتماد، پختہ یقین کے ساتھ ایک پروگرام کے ماتحت متحد ہو کر لڑنا ہو گا۔"

●

"تعلیمی کتابیں خاص طور پر ان مقاصد کو سامنے رکھ کر تیار کی جانی چاہئیں۔ جن میں اپنے ملک کی زبان تہذیب، اخلاق، تاریخ و جغرافیہ پر زور دیا جائے۔ تاکہ بچوں میں اپنے ملک کے لئے عقیدت اور ان میں خود داری، رواداری آپس میں میل جول و اتفاق، اتحاد آزادی کا جذبہ پیدا ہو۔"

●

ہمارا فرض

عدم موجودگی کسی اخبار کی ملک کی آواز جو کسی ایک قسم کے ... اور ... کی
داستان جو ذمہ دار حکام تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ مبارک ہیں وہ دل جنہوں
نے اس کمی کو محسوس کر کے سرتوڑ کوشش کی۔ اور خوشی کا مقام ہے کہ اجرائے
اخبار کی اجازت ہو گئی۔ لالہ ملک راج جی نے بڑی سرگرمی اور لگاتار کوشش
سے کامیابی حاصل کی ہے۔ جس کے لئے انہیں مبارکباد دی جاتی ہے اور لالہ
ہنس راج صاحب بھی خصوصیت سے خراج تحسین کے مستحق ہیں، جنکی دیرینہ
جدوجہد اور نہایت عمدہ قابل قدر ہمدردانہ خیالات موثر ثابت ہوئے۔ اب کارکنان
اخبار کے آئندہ پروگرام اور صدق دل سے اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ آپ کا
فرض مقدم یہ ہوگا کہ بلا لحاظ مذہب و ملت تفریق و تمیز بڑائی چھوٹائی و بلا
خوف و خطر خوشامد درآمد ... راستی اور حب الوطنی کے جذبہ سے رعایا و ریاست
کی بہتری بہبودی اور ان کے تعلقات پسندیدہ و خوشگوار بنانے کے لئے ہر
وقت کوشاں رہیں گے۔ ہر ایک کیلئے ضروری ہے کہ چند تجاویز سوچی جائیں جن
اصحاب کو مختلف مقامات کی خبریں اخبار میں درج کرنے کیلئے بھیجنے کو کہا جائے
ان کے چلن، طرز زندگی، طریق معاشرت، دل و دماغ کی طاقت اور آپس کے جھگڑوں
کے کاموں میں دلچسپی، نیک نیتی، راستی اور بےغرضانہ خدمات کی جانچ پڑتال
کا علم ہونا چاہئیے۔ ورنہ غیر ذمہ دار خود غرض آدمیوں کی طرف سے مضامین بھی
... درج کر کے ... کا باعث ہوگا۔ اب اس امر کی

جانچ پڑتال و دریافت و تحقیقات کے لئے شروع میں کارکنان اخبار کو
بلا وقفہ مشکل پیش آئیگی۔ اس لئے نہ صرف ان کی مشکل کا حل کرنے کیلئے بلکہ
اپنا فرض سمجھتے ہوئے علاقہ جات کے ان نیک دل خوش چلن سچی ہمدردی رعایا
کے ساتھ رکھنے والے اصحاب کا پرم دھرم ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ جات سے
متعلق نیک چلن، راست باز اور بے غرض اہل قلم منتخب کر کے ان کی طرف سے
یہ تعلق خود کارکنان اخبار کو اطلاع دیں۔ اور ایسے نامہ نگار طول و طویل
و بلاضرورت مضمون آرائی کے خیال کو چھوڑ کر صحیح سچے اور اصل واقعات و
حالات نہایت اطمینان و تسلی و تحقیقات کے بعد اپنی ذمہ داری اور آئینی
اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھیجا کریں گے۔ اور اپنی معلومات کے ذریعے
نہایت وسیع مگر کامل تبصرہ اور سچے حالات بھیجا کریں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے متعلق ہمارا کیا فرض ہے۔ ان رعایا کے
ہر ادنیٰ و اعلیٰ فرد کا یہ فرض ہے کہ اپنے وطنی بھائیوں کے تعلقات و
اتحاد و اتفاق کو خوشگوار بنانے کے لئے اور ان کے و سرکار کے درمیان
نہایت عمدہ اور پسندیدہ وفادارانہ و خیر خواہی کے تعلقات و خیالات پیدا
کئے جائیں۔ اور ہرگز کسی طبقہ کے مذہبی پہلو میں منافرت و دل آزاری و
ناراضگی کے سامان پیدا نہ ہونے پائیں۔ جہاں کہیں ایسے واقعات پیدا ہونیکا
امکان ہو یا کوئی غیر ذمہ دار خود غرض و چالاک و مذہبی دیوانہ و متعصب شخص
خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو کہیں غلط فہمی و نفرت پیدا کرے۔ سب سے
پہلے اس کی اطلاع دی جانی چاہئیے تاکہ فوراً اس کے انسداد کے لئے مناسب
کارروائی کی جائے۔ وہ لوگ جو محض اپنی خود غرضی و لالچ کی وجہ سے باوجود
اپنے وطنی بھائیوں کے غریب مفلس اور ستم رسیدہ و تکلیف میں مبتلا دیکھکے

چپ رہیں گے اُن کے دُکھ درد کے دُور کرنے کا علاج نہیں کریں گے۔ وہ صرف ایسے ستم زدہ غریبوں کی آہوں کا شکار ہو کر گنہگار ہوں گے۔ بلکہ اُن کی ایسی لاپرواہی و غیر ذمہ داری جو اُن کے اپنے فرض جذبۂ وفاداری کو متزلزل کرے گی نہایت خطرناک ہو گی۔ خود ایک دوسرے کو لوٹنے مارنے ستانے تنگ و دق کرنے کی موجودہ نہایت قبیح و بد اخلاقی جیسی کاروائی کو قطعاً ترک کر کے یہ پرن کیا جائے کہ آئندہ و بحال انسانی فرائض کی ادائیگی اور جذبۂ راج بھگتی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ تمام بد اخلاقی برائی و تکلیف اور ضرر رسانی کو دُور کرنے کے لئے ہمہ تن کوشش کی جائے گی۔ اور صحیح سچے اور اصلی حالات کے بیان کرنے میں ہرگز کسی خوف و خطر کا خیال نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ جب تک تھوڑی بہت قربانی نہ کی جائے تب تک ان نقائص و تکالیف کا علاج نہیں ہو سکتا۔ یہ ہر ایک پر خاص طور پر واضح کیا جانا ضروری ہے کہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر و راجہ صاحب بہادر ہرگز نہیں سُننا چاہتے کہ اُن کی پیاری رعایا کو کسی قسم کی تکلیف اور دُکھ دیا جائے۔ بلکہ ہر طرح الطاف ہمدردی و پیار کرنے کا خیال ہے۔ تاکہ رعایا آسودہ و خوشحال و آرام سے رہے اس لئے جو شخص بھی کوئی ناجائز خلاف قانون کاروائی کرے یا کسی قسم کی تکلیف دے یا تنگ کرے یا بد اخلاقی کرے اُس کے متعلق اطلاع دی جانی چاہئے۔

علاوہ بریں جہاں کہیں راستہ جات، پُل، تالاب یا راہ وغیرہ کی مرمت، ریخت وغیرہ کی اشد ضرورت ہے۔ اور عوام کو تکلیف ہے جس کے دُور کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ اطلاع دی جانی چاہئے۔ چونکہ یہ اخبار رعایا کی بہتری اور بہبودی اور اُن کی تمام تکالیف و نقصانات کو دُور

کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور ہر ایسی آواز جو جلدی حکام کے ذمہ داروں کے پاس نہیں پہنچ سکتی وہ پہنچائیگا۔ اس لئے ہر ایک اردو خواں کا فرض ہے کہ وہ اس اخبار کا خریدار بنے اور اسے مطالعہ کرے اور دوسروں کو سنائے تاکہ سب لوگ اپنے ملک کے تمام ضروری حالات سے واقفیت حاصل کریں۔ اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو۔ چونکہ پڑھے لکھے ریاستی ملازمان اکثر باہر علاقہ جات کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے ان کا [illegible] فرصت پر اپنے اپنے گھروں کو جائیں تو جملہ ملازمان سرکار کے سلوک طرزِ زندگی وغیرہ کے متعلق خاص طور پر دریافت و تحقیق کریں۔ اگر کہیں انہیں ظلم زیادتی رشوت ستانی یا دیگر بد اخلاقی کے سلوک کی اطلاع ملے۔ اور اس کی تحقیق جس قدر جلد ہو سکے کر کے اطلاع دیں۔ لیکن یہ کام جو انسانیت کا اعلیٰ جزو ہے۔ یہ نیکی و اصلاح کا کام صرف وہی کر سکتے ہیں۔ جو خود فی الواقع نیک چلن اور دیانتدار ہوں۔ اور پھر ایثار و ہمدردی کا مادہ رکھتے ہوں اسی طرح نیک دل، دھرم والے، ایماندار ملازمان سرکار خواہ وہ غیر ریاستی ہیں مگر ظلم و ستم اور تمام برائیوں کے طبعاً و فطرتاً سخت برخلاف ہیں وہ بھی اس اخبار کی امداد کریں۔ اور جہاں کہیں انہیں معلوم ہو کہ رعایا کو تکلیف ہو رہی ہے [illegible] ملازم [illegible] اخلاقی رشوت خور اور ظالم ہے۔ ان کی بابت [illegible] کاروائی کی جائے [illegible] جائے اُمید ہے [illegible] کے دوران میں

جہاں کہیں کوئی کمزوری دیکھیں یا اس کی طرف ناجائز ظلم و ستم کی کارروائی دیکھیں، اخبار کی طرح رہیں۔

(۲) جس ملک کی اخلاقی، دماغی، جسمانی، اقتصادی حالت کمزور ہو۔ اور آئندہ بھی ہر چند دیانت سے نقاب پوشی کی جا رہی ہو، جس کی نوعیت کا احساس اور حکومت وقت کے ساتھ دائمی خوشگوار تعلق قائم رہنا مشکل ہے۔ اور جونہی اس حد تک کمزوری واقع ہو جائے کہ انسانی فرائض تو درکنار انسانیت سے ہی محروم ہو سکتے ہیں تو پھر آزادی ایک دوسرے کے ساتھ محبت، پیار، اتحاد، اتفاق، ہمدردی تو درکنار ایک قسم کا وحشی پن پیدا ہو جانا اغلب ہے۔ جس کے نتائج محتاج اور ضرور تحریر نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں بیرونی اور غیر ذمہ دار ہستی حسب خواہش جس طرح اور جب چاہیں ان سے کام لے سکتے ہیں۔ جس کا نتیجہ بلاشبہ ہر دور کے نسبت تباہ کن ہے اور غیر انسانی زندگی ایک خوشگوار اور پُر فضا احاطے سے نکل کر نہایت تاریک و خطرناک جگہ میں گر جاتی ہے۔ جس کا قومی زندگی کے لحاظ سے دنیا میں ترقی کرنا تو کجا عزت و حرکت کے لئے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس [illegible] خطرہ کو دور کرنے کے لئے اور آئندہ خود انسانی ہستی میں نہ صرف ظاہری شکل و شباہت [illegible] بلکہ عملی زندگی سے انسانیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام دنیوی تعلقات نہایت پُر امن و راحت پیدا کرتے ہوئے انسانی ہمدردی، ملک و قوم کی خدمت و ترقی کے سامان پیدا کرنے کے لئے قومی زندگی پیدا کی جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کے لئے کن کن وسائل اختیار کئے جائیں؟ دو طرح سے انسانی زندگی کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور قومی زندگی کے لئے

ان میں ہمدردی کی بڑی ضرورت ہے۔ ایک انسانی بستیوں کی اپنی حفاظت اور اخلاقی، دماغی، جسمانی، اقتصادی ترقی کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے اُن طاقتوں کو اپنے موافق حسب حال حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ جو بطریق پیدائشی حقوق اور ایک انسان ہونے کے لحاظ سے اُسے حاصل ہونی چاہئیں تھیں اور حاصل ہیں۔ اور اب بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن کسی وجہ سے جو بظاہر اپنی ہی کوتاہی اور غفلت کا نتیجہ ہے چھین لی گئی ہیں۔ اور اب انہیں دراصل اپنانا ہی پڑتا ہے۔ اور تصور کی موجودہ طاقتیں سمجھتے ہوئے اُن سے تمام بیرونی اور حاکمانہ بلا رضامندی طریق زندگی قائم کرنے کے لئے پابندیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اول اپنے آپ کو جاننے اور پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اپنی ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص ہرگز کوئی ملکی و قومی کام نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اُسے حُبّ الوطنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جب تک وہ اپنے آپ کو تمام قسم کی آلائشوں، برائیوں و کمزوریوں سے پاک صاف نہ کرے بغیر اخلاق و پاکیزگی و تیاگ و قربانی کے ہرگز ہرگز قومی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بلا لحاظ مذہب و ملت اور اختلافات خیالات "انسانی رشتہ و تعلق" ایک ایشور خدا کے بندے ہونے کی صورت میں ایسا مضبوط اثر دائمی ہونا چاہیئے۔ اور پھر اپنے ملک کے ساتھ ساتھ اُس کے سچے رہبروں و محافظوں کے ساتھ بشرطیکہ وہ ملک اور قوم کیلئے ہر وقت ملک کی آواز سن کر ہمہ تن اُس کی بہتری کی کوشش کریں بے کمال محبت اور شفقت سے ہونا چاہیئے۔ دنیا میں کوئی مذہب کسی کو انسانی ہستیوں سے دشمنی کرنا نہیں سکھاتا۔ بلکہ ہمدردی پیار کا سبق دیتا ہے

اور اس طرح وہ خاص شخصیتیں ہیں۔ جن کے ہاتھ میں لاکھوں زندگیوں
کے دکھ سکھ نفع نقصان، پابندی آزادی ترقی و تنزل کے سامان
و اسباب ہیں۔ بشرطیکہ ایشور کی آگیہ انوسار موجودہ فرض کو ایک امانت
سمجھ کر نہایت ذمہ داری، ایمان اور بے غرضی سے ادا کرنے کی خاص ضرورت
و احترام ہونا لازمی ہے۔ مقابلتاً جب گذشتہ حالات زندگی اور بزرگوں
کی طرز زندگی اُن کے اخلاق محبت اتحاد آسودگی فرض شناسی سادگی،
آزادی کو دیکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے ملک اور قوم
کے ساتھ کتنا پیار تھا۔ اور عملی طور پر اُن کے ذاتی محافظ کا کیا سلوک اُن
کے ساتھ تھا۔ تو بڑا بھاری فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور موجودہ گراوٹ
تنزلی اور خرابی کا موجب یہی فرق ہے۔ یہ عیوب پیدا ہوا۔ انہی دو طریقوں
سے ایک اپنی غفلت اور خود غرضی، سہل انگاری اور عیش پسندی
وغیرہ کا سودا ہے۔ دوسری ذمہ دار ہستیوں کی طرف سے عدم توجہی سے
اور ان کی طرف سے پچھلے درجے کے افسروں کی عدم نگرانی و پڑتال سے جب
اپنے دیس کی چیزوں سے پیار نہ ہو۔ سادگی سے نفرت ہو گئی۔ سامان
زندگی کو نمائشی آرائش میں منتقل کر دیا گیا۔ اصلیت کو ایک تصویر کی طرح
رنگ دے دیا گیا۔ اور اُسے بے جان کر دیا گیا۔ اور بیرونی تباہ کن اثرات سے
متاثر ہو کر اپنے پرانے مگر زندگی بخش طریقے کو چھوڑ دیا گیا۔ تو پھر یہ دن
دیکھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ بداخلاقی کے تمام اسباب عدم موجودگی کسی ایسی
سوسائٹی کے جو خود ہر طرح پاک اوصاف ہو اور جس کا کوئی لحاظ یا پاس
خاطر یا ڈر ہو۔ اور بعدم موجودگی ایسی تعلیم یا پرورش کے اور بعدم موجودگی
اچھے پاکیزہ دھرماتما عالم و فاضل پرچارکوں کے اور حکومت وقت کی طرف

سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہونے کے پیدا ہو گئے۔ علاوہ مختلف اور قبیح
رسوم کے بعض اشیاء کا کھلم کھلا استعمال۔ مثلاً شراب، چانڈو، چرس
وغیرہ اور بدچلنی، بدمعاشی کے اڈے قائم رہنے کے اور بدمعاش
بدچلن عورتوں و مردوں کے انسداد کے بجائے اُن کی طرح طرح کی خاطر
سامانوں جائیدادوں باغات و کوٹھیوں وغیرہ زر و زیور کے لحاظ سے
اُن کی قدر و اہمیت کا ہونا ایسے واقعات ہیں۔ جن سے بدچلنی، بداخلاقی
زور پکڑ رہی ہے۔ علاوہ ازیں بھڑکیلے اور رنگین لباس، فضول خرچی
سامان عیش و عشرت، سگرٹ، سوٹ بوٹ وغیرہ پر لاکھوں روپے برباد
ہو رہے ہیں۔ جس سے مالی حالت سخت کمزور ہو رہی ہے۔ جب مالی
اور اخلاقی حالت کمزور ہو جائے۔ تو بحیثیت ایک انسان جسم کی
انسانیت کے اعلیٰ اجزاء تباہ ہو جاویں۔ قومی زندگی کا ہونا ایک موہوم
خیال ہے۔ جہاں محنتی و کارکن اور جنگی قوت بازو اور جذبہ وفاداری کی
سلطنت کی طاقت نہیں بلکہ ہمیشگی کا مدار ہے کے اندرونی اور اخلاقی
کمزوریاں پیدا ہو جائیں۔ اس وقت باوجود ہر قسم کے سامان، فوج
روپیہ کے بھی طاقت میں ضعف آنا یقینی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے
کہ جہاں غلہ کے انبار، گھی کے پیپے، دودھ کی نہریں بہا کرتا۔ دودھ دینے
والے مویشی، گھوڑے، بھیڑ بکری، گجر، گاؤ، بھینس، ہتھیار اور ورزش
کے سامان ہر وقت موجود رہتے تھے۔ وہاں اب سگرٹ، پان، تمباکو، شراب
فیشن ایبل بھڑکیلے سوٹ بوٹ کی کثرت موجود ہے۔ علاوہ ازیں آئے دن بیسیوں
رسوائی جھگڑا مقدمہ بازی جو ایک طرح خود غرضی اور بداخلاقی کی وجہ سے
پیدا ہوتی ہے عدالتوں میں ہو رہی ہے۔ غرضیکہ تمام خرابیوں کو دور کرنے کیلئے اچھے

ملک کی چیزوں سے پیار آپس میں محبت زندگی بخش سامان کا پیدا کرنا ہے
جس سے صحت، چال چلن اور عمر میں ترقی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس واسطے سوسائٹیوں
کا ہونا ضروری ہے جو تمام ایسی خرابیوں کا علاج کریں۔ اور یہ چار کام ہونے
چاہئیں۔ اور جہاں مذہبی سوسائٹیاں ہیں۔ وہاں روحانی، مذہب و ملت
انسانی جماعتیں مل کر غور و خوض کریں کہ کس طرح وہ کسی انسان کے ساتھ
خوش خلق آسودہ محبت و پیار سے رہ سکتے ہیں۔ کس طرح وہ بیرونی جذبہ و
نقصان دہ اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ دوسرا طریقہ جو موجودہ صورت میں
اپنے حد اختیار سے باہر ہے۔ اُسے اپنے حالات و ضرورت کے مطابق بناتا ہے
اور وہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ اپنے اندرونی جھگڑے نفرت بغض کینہ کو چھوڑ
کر قومی زندگی پیدا کی جائے۔ یعنی بحیثیت ایک قوم کے ایک ملک کے رہنے
والے بھائی ہونے کے رکھا جائے تاکہ دونوں ہستیاں ہرگز کوئی ایسا کام نہ
کریں جو ملک و قوم کے درمیان، خوشگوار و نقصان دہ تعلقات پیدا کرنے کا
موجب ہو۔ یا ملکی و قومی ترقی کے مانع ہو۔ انسانی ہستیوں کو کمزور، بدچلن
بیمار اور پوک بنا کر لڑائی جھگڑوں میں مصروف رکھے۔ بس یہ ضروری ہے کہ
ملک اور قوم کی خدمت کے لئے مقصد زندگی پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ انسانیت
اتحاد، اتفاق، محبت، تیاگ، قربانی، سادگی جیسے اصولوں سے زندگی بنانا
اور تمام نقصان دہ عادات و سامان کا ترک کرنا لازمی ہے۔

(بشکریہ رنبیر ۲۴ جون ۱۹۳۳ء)

ڈوگرہ صدر سبھا کا سالانہ اجلاس

ڈوگرہ صدر سبھا ایک ایسی مشترکہ جماعت ہے جو جملہ رعایا ریاست
جموں و کشمیر کی بلا لحاظ مذہب و ملت نمائندگی کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ اور
اس کی ہستی کا سب سے بڑا دارومدار رعایا میں خوشگوار و وفادارانہ
تعلقات کو قائم رکھنا ہے۔ تاکہ ایک دوسرے کی مرفہ الحالی و فارغ البالی
کا موجب ہو سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسے تعلقات اور حالات کیونکر پیدا ہو سکتے
ہیں۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ والیٔ ملک میں رعیت پروری کا خیال
پیدا کر کے اُس کے لئے رعایا میں جذبۂ وفاداری کو برقرار رکھا جائے۔ اب
اس سوال کو بھی حل کرنا ہوگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اس کا بھی جواب
صاف ہے کہ اُن تمام حالات کو جو کسی طرح بھی رعایا کی تکالیف و مصائب
کا موجب ہوں وہ فوراً دور کرنے کی ہر وقت اور ہر جگہ ہمہ تن سعی و
کوشش کی جائے۔

آؤ ہم ذرا غور کریں کہ حکومت کا اس بارے میں کیا فرض ہے اور
صدر سبھا کے اختیار میں یہ کس قدر ہے۔ تاکہ دونوں اپنے اپنے فرائض و
ذاتی امور کا حل سوچنے کے لئے کارروائی کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ
جہاں راجہ و رعایا کا تعلق پتا پُتر کا ہوتا ہے وہاں جس طرح ایک بیٹا

باوجود بعض حالات ناتجربہ کاری کے زیادہ کئی غلطیاں بھی کر دیتا ہے اور پھر بھی باپ کی تمام جائیداد عزت و طاقت و شہرت کا اپنے تئیں وارث وحقدار تعیین کرتا ہے۔ اسی طرح رعایا ایسے حالات میں بھی حکومت ہی بلکہ اپنے گھر کے ممبران کو پنچایت سمجھتی ہے۔ اور تمام مال و اسباب عزت دولت خزانہ کی طاقت وغیرہ کو اپنا ہی خیال کرتی ہے۔ مگر بدقسمتی ہے جہاں ریاست میں موجودہ صورت میں ایسے حالات پیدا کر دئے گئے ہیں کہ جس سے رعایا کو بشکل ایک وارث ہونے کے یقین نہیں رہا۔ بلکہ صرف امید باقی ہے۔ وہ بھی اسی صورت میں جبکہ اسے اپنے حقوق اور آزادی کیلئے دل و دماغ سے کام لینے۔ مل بیٹھنے وادو فریاد کرنے کے لئے کسی قسم کی کاوٹ کا خیال نہ ہو۔ اس لئے سروست اُسے ہم اپنے گھر کے بزرگ محترم مانتے دھرماتما حق و انصاف و صداقت پر عمل کرنے والی پنچایت نہیں سمجھتے بلکہ حکومت تصور کرتے ہوئے اُسے اور اپنے تئیں دو جُداگانہ طاقتیں و مستقل باہمی تعلقات و اصلاحات کے لئے فرض کرتے ہیں۔

لیکن حکومت کا فرض صرف حکومت کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ جب حاکم اور محکوم کا تعلق قائم ہو جاتا ہے تو بلاشبہ سختی، جبر، ظلم، تکبر، چھوٹی پابندی، دست اندازی، بے رحمی، خود غرضی، حقارت و نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ساری خرابیاں رعایا اور راجہ کے درمیان نہایت خطرناک حالات پیدا کر دیتی ہیں۔ اس لئے جہاں در اصل ایسی تب و تگ حالات پیدا ہو جائیں۔ وہاں حکومت کا نام و نشان مٹ جاتا ہے اور پھر وہی لوگ اپنے ہم جنسوں میں ایک حقیر ہستی کی صورت میں شامل ہوتے ہیں۔ اور اپنے کئے پر پشیمان ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت

کی جائے خدمت نگہداشت و حفاظت کرنے کے لئے پنچایت یا کونسل وغیرہ جو بکلی ہو بنائی جائے۔ اور سب سے پیشتر اس کا فرض یہ قرار دیا جائے کہ سبھا کے تمام ریزولیوشن کو اپنے ملک کی صحیح اصلی آواز اور ضروری آواز سمجھ کر فوراً اصلاح کی جائے۔ اور اگر حالات جلدی ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوں تو صاحب پریذیڈنٹ سبھا دیگر ذمہ دار ہستیوں سے ملکر صلاح مشورہ کرکے اصلاح کی تجویز کی جائے۔ باوجود سُننے دیکھنے اور سمجھنے کے ایک ذمہ دار جماعت کی طرف سے وقت پر نہایت ضروری طور پر اصلاح دینے کی کوئی کارروائی نہ کرنا۔ بلکہ محسوس تک نہ کرنا اور بالکل لا پرواہی برتنا بلاشبہ ارکین سلطنت کا اپنے فرائض دھرم وفاداری نمک حلالی اور رعایا و پرجا کے دائمی خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کے لحاظ سے ایسا کرنا سخت نامناسب اور خطرناک ہے۔ اب تک بعض ضروری اصلاحات و تجاویز پر عمل نہیں کیا گیا۔ بلکہ مختصراً یہ کہنا افسوس کے ساتھ بیجا نہ ہوگا کہ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے نہایت معقول ریزولیوشن بھیجا ہوگا۔ وہ جواب آیا کہ مہمل اور بے معنی ہے۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ یہ مرض نہایت زور و شور پر ہے۔ جس سے انصاف کا خون ہو رہا ہے۔ اور بہت حد تک رعایا کے دل میں حکومت کی طرف خراب اثرات پیدا کرنے کا باعث ہے۔ یہی برائی ہے۔ اسی طرح کئی دیگر ریزولیوشن کے ساتھ عدم توجہی کا سلوک کیا گیا ہے۔ اب رہا سوال سبھا کے فرائض کا تمام ضروری اصلاح طلب سوالات سبھا کے دفتر میں موجود ہیں۔ اُن پر جلدی ہی بحث ہوکر ریزولیوشن پاس ہونے چاہئیں۔ اور یہ نہایت ضروری ہے کہ تمام ریاست کے جملہ علاقہ جات سے جہاں تک ممکن ہو سکے خاص خاص

ذمہ دار احباب بطور نمائندے جنہیں کمال ہمدردی رعایا سے ہو۔ اور جو مستمر خیرخواہ وفادار نیک سنجیدہ سمجھدار ہوں اور اپنے علاقہ میں اثر بھی رکھتے ہوں کو مدعو کیا جائے۔ اور ان کی آسائش و آرام کا خاص انتظام کیا جائے۔ تاکہ اُن لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے لئے کیا کچھ ہو رہا ہے اور آپس میں واقفیت محبت پر علم پیدا ہو۔ اور اصلاحات کا دائرہ وسیع ہو سکے۔ اور پھر اُن سے تمام ملک کی موجودہ حالات ہر قسم پر اگر ہو سکے تو بحث کیجائے۔ میری رائے میں حسب ذیل ریزولیوشن پیش ہونے چاہئیں اس لئے ان پر بحث کرکے اور خیالات کے اظہار کی تیاری پہلے سے ہونی چاہیئے۔ تاکہ جس جس صاحب نے جس جس ریزولیوشن پر بولنا ہو۔ وہ اس کا اچھی طرح مطالعہ کر سکے۔ اور ان کے جملہ اندراجات سے واقفیت پیدا کی جائے۔

(۱) تشخیص جیسے جب چاپ تجویز ہو کر منظور ہو جاتی ہے۔ اور پھر کھلا زمیندار دیکھتے کہ طرح جاتی ہے۔ اور مالگذاری پر اُن کے اکثر [illegible] باوجود کہ وہ نمودار ہوتے ہیں۔ اور پیدا کرتے ہیں کہ زبردستی لگائے جاتے ہیں اور جس کاغذ پر انگوٹھا یا لگائے ممبران وغیرہ لگائے جاتے ہیں انہیں لکھا ہوا ہے کہ جو جمع اراضی مالیہ اب نیا مقرر ہوا ہے وہ ہم نے منظور کیا ہے اور ہم کو منظور ہے جسے باقساط مقررہ پر ادا کر دیں گے۔ جب تک ایک ایسی کمیشن تحصیل متعلقہ کے تمام ذمہ دار زمینداران کے اعتراضات کو [illegible] کافی پڑتال ریکارڈ جس پہلے جمع تجویز کر لی گئی ہے ذکر لیوے اور صرف اس میں ایک کام کے واسطے و دیگر مال کام کے لئے ایک کمیشن بنائی جانی ضروری ہے۔ اور اُن کے ذمے صرف اسی اہم کام کے تمام مال کے کام

بھی ہو گئے۔ جن پر ان کی رائے کے بغیر کوئی قانون باقاعدہ پاس کیا جائے

(۲) جو سرکاری قانونی باقاعدہ نیا جاری کیا جائے جس پر رعایا کے حقوق و رسم و مذہب آسودگی پر فرق پڑتا ہے۔ اس میں سرکردہ چیدہ اور خاص مذہبی پیشواؤں اور سبھا کے عہدہ داروں کی رائے لینا ضروری ہے اور بعد کافی بحث کے اجراء ہونا چاہیئے۔

(۳) (اجارہ) گرنی تحصیلات کی فصلیں اور جنگل مال مویشی سے ہر سال تباہ اور برباد ہوتی ہیں۔ اور باوجود صریح نقصان فصل کے [illegible] برباد ہو جانے کے [illegible] دیا جاتا ہے۔ مگر کوئی انسداد نہیں کیا جاتا یہ انتظام [illegible] شدہ فصل کی قیمت دی جائے۔ یا مالیہ مجرا دیا جائے یا اجارہ کا [illegible] کیا جائے۔

(۴) (درختان [illegible]) باوجودیکہ زمینداران کے مقبوضہ ملکیت وارث ہیں واقع ہیں۔ تمام حفاظت و پرورش ان کے ذمہ ہے۔ اور خود جو محکمہ نہیں سرکاری تصور کیا گیا ہے۔ اور قانون پاس کیا گیا ہے جس کا اثر ہو رہا ہے کہ زمینداران [illegible] درختان تک [illegible] استعمال نہیں کر سکتے صرف کرم کشی کرتے [illegible] سکتے ہیں۔ [illegible] کا گھٹے وقت یا اشد ضرورت چارہ کے طور پتوں کیطرف مال مویشی کیلئے ہو اور ایک آدھ شاخ کاٹی جائے تو جرمانہ ہوتا ہے اور صاحبان تحصیل میں طلبی ہوتی رہتی ہے۔ گویا بلا قیمت بیچے لئے جاتے ہیں۔ فائدہ سرکار کا ہوتا ہے۔ یا ملازمان تنخواہ کے علاوہ لاکھوں کمیشن لیتے ہیں۔ اور لاکھوں کا فائدہ ولایت کے لوگوں کو ہوتا ہے۔ اور زمینداران کہ جن کی ملکیت وجائیداد ہے۔ ان کو جرمانہ خانہ تلاشیاں اور زیر سایہ

فصل کا نقصان معاوضہ دیا جاتا ہے۔ درختان توت ایک طور پر پولیس حسب اور ایک ایک درخت ایک کنبے کے برابر ہے۔ اس لئے ریزولیوشن اس کے متعلق پاس ہونا چاہئے۔ یا قطع ریشم میں زمینداروں کا حصہ مقرر کیا جائے۔ یا ان کو پتوں کی قیمت ملنی چاہئے اور جس قدر ان درختان کا نقصان ہو۔ اس کا معاوضہ ملنا چاہئے۔ اور مالیہ سرکار سے مجرا ہونا چاہئے۔ تاکہ زمینداران بجائے درختان توت کو ایک دشمن کے ان کی قدر و قیمت سمجھیں۔

(۵) بیگار کے انسداد کی جسقدر کارروائی ہوتی ہے۔ صرف لفظی ہے عملی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ خچر، گھوڑا، قاطر، اونٹ سب کھلے پکڑے جاتے ہیں۔ اور چراغ تلے اندھیرا۔ جموں کے بازاروں میں پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔ اس لئے اس کا قرار واقعی انسداد ہونا چاہئے۔

(۶) راستہ جات سڑکوں کی درستی و تیاری کا کام خاطر خواہ نہیں ہوا۔ جس کے علاوہ آمد و رفت کی تکلیف کے ذرائع اسباب کے لے جانے اور تجارت میں نقص واقع ہو رہا ہے۔

(۷) کنڈی کے تالابوں کی درستی کا انتظام تسلی بخش نہیں۔ جس قدر روپیہ سرکاری منظور ہو وہ گاؤں کے سرکردہ اشخاص کے ذریعے خرچ ہونا چاہئے۔ اور بجائے ٹھیکہ کے عوامی کام ہونا چاہئے۔

(۸) اکھنور کا پل تیار ہونا چاہئے۔ لوگوں کو بڑی سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اکھنور تحصیل کے مالیہ کی رقم اگر دو تین سال کی لگائی جائے تو پل بآسانی تیار ہو سکتا ہے۔

(۹) صنعت و حرفت پر اگر سرکاری روپیہ خاطر خواہ نہیں لگایا جا سکتا جو کہ خاطر خواہ لگایا جانا ضروری ہے۔ اور دھرم ارتھ سے مہاراجہ

صاحب یا دیگر اشخاص کی طرف سے روپیہ جمع ہو کر کارخانے کھولے جائیں۔ تاکہ علاوہ ملازمت کے نوجوانوں کے لئے معاش کا ذریعہ نکل سکے۔

(۱۰) کھدر کا پرچار ہونا چاہئے۔ گھریلو دستکاری کو رواج دینا چاہئے۔ تاکہ سادگی، کفایت، آسودگی، محبت، اتحاد اور آزادگی حاصل ہو۔ تمام دفاتر میں دیسی کپڑا اور دیسی عام چیز ہوگا استعمال ہونا چاہئے۔

(۱۱) پنچایت سسٹم قائم ہونا چاہئے تاکہ مقدمہ بازی سے جو نقصان و تکلیف اور باہمی نفرت روانی جھگڑا بڑھ رہا ہے وہ دور کیا جائے۔

(۱۲) شراب کا انسداد مہاراجہ صاحب بہادر جی سرگباشی کے وقت کے احکامات کا حوالہ دیگر ریزولیوشن پاس ہونا چاہئے۔

(۱۳) تمباکو، چرس، چنڈو کی روک تھام ہونی چاہئے۔ اس سے مالی، دماغی و اخلاقی نقصان عظیم ہو رہا ہے۔

(۱۴) محصول کسٹم کے متعلق بھی ریزولیوشن پاس ہونا چاہئے۔ کیونکہ محصول کسٹم کا بوجھ رعایا پر پڑتا ہے۔

(۱۵) ریشم کا کپڑا ریاست میں تیار ہونا چاہئے۔

(۱۶) تحصیلات کے درمیانی پڑاؤجات پر ڈاک بنگلے یا سرائے وغیرہ تیار ہونی چاہئے۔ تاکہ افسران بوقت دورہ خیمہ کے ساتھ نہ جائیں کیونکہ اس سے افسران رعایا کے لئے شکایتیں پیش آتی ہیں۔

[illegible] مستقل

بار برداری کا انتظام کر کے ہونا چاہیئے۔ اور مقامی افسران کو ساتھ نہیں رکھنا چاہیئے۔ تاکہ صحیح اور اصل حالات رعایا سے انہیں معلوم ہو سکیں اور ہر ایک بڑے افسر مثلاً وزیر وزارت صاحب سے لیکر منسٹر راجہ صاحب تک کی ڈائری تمام ضروری اصلاحی امور و شکایات زمینداران کے انسداد کے متعلق چھپنی چاہیئے

(۱۸) رشوت ستانی کا انسداد ہونا چاہیئے۔ اور ایک کمیٹی بنائی جانی چاہیئے۔ جیسا کہ پہلے ریزولیوشن بھیجا گیا ہے۔ پھر دوبارہ بھیجا جائیگا

(۱۹) تعلیم کی ترقی بالخصوص دھارمک تعلیم کی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔

(۲۰) انسداد بردہ فروشی۔ فی الواقعہ ایک کمیٹی اس کیلئے بنائی جانی چاہیئے۔ جس میں لالہ جیون لعل صاحب ضرور ہونا چاہیئے۔ جنہوں نے قابل قدر معلومات کا اظہار اپنی تصنیف میں کیا ہے۔

(۲۱) تمام سرکاری رقبہ جات رکھ وغیرہ کو آباد کیا جائے تاکہ وہاں باغات و مختلف قسم کے پودوں کے ذخیرہ جات لگائے جائیں اور ڈائرکٹر صاحب اگریکلچر کو جموں صوبہ میں بھی دھیان دینا چاہیئے ورنہ کشمیر کی شالی تو ایک ہی طریقہ پر کاشت ہوتی ہے۔ اور وہاں تو چند دکانداروں کے جن کا سودا یورپین لوگوں کے کام آتا ہے۔ فروخت ہوتا ہے اور چند مرغی انڈوں کے اور کچھ بھی فروخت نہیں ہوتا۔

امید ہے کہ تمام ذمہ دار اصحاب و دیگر دوست جو ڈوگرہ صدر کمیٹی کے اغراض و مقاصد جو سب پر عیاں ہیں۔ اور پچھلے پرچہ رنبیر میں باہتمام شائع ہو چکے ہیں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہوں۔ اس بار بھی جلسہ کو پہلے سے بھی زیادہ بہتر بنانے میں ہمہ تن مصروف نظر آئینگے اور اپنے فرض کو پوری طرح نبھا سکینگے۔

(رنبیر مجریہ ۳ فروری ۱۹۲۶ء)

ڈوگرہ صدر سبھا کی سالانہ کانفرنس

(میں صدارتی تقریر)

ڈوگرہ سبھا کی اٹھارہویں سالانہ کانفرنس سری پرتاپ ڈوگرہ ہال جموں میں ۱۱ چیت ۱۹۲۶ء میں منعقد ہوئی۔ سبھا کی صدارت سردار بدھ سنگھ نے فرمائی اور انہوں نے اپنے صدارتی خطبہ میں جن خیالات کا اظہار کیا۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

"سب سے پہلے آپ نے فرمایا کہ میرے بار بار انکار کرنے پر اور معافی کی درخواست کرنے پر بھی آپ نے خاکسار کو اس اہم اور نازک ذمہ داری کے اٹھانے کے لئے اور ایسے وقت جبکہ زمانہ کی لعنت عجیب و غریب حالات سے گذر رہی ہے ملکی قومی خدمت کے قابل خیال فرما کر منتخب کیا۔ اور ایک بن باسی کو جو عرصہ سے غیر حاضر رہا ہے۔ اور چپ چاپ جنگل کے پنچھیوں کے ساتھ بلکہ پرماتما کے حضور پرارتھنا کر رہا تھا۔ اس خدمت کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ مجھے اپنی کمزوریوں اور کمیوں کا پورا علم ہے۔ اور ساتھ ہی ملکی قومی خدمت اور حالات کی پیچیدگی موافق و مخالف اثرات کا بھی خاص احساس ہے۔ پھر بھی آپ جیسے صادق اور پیار سے بھائیوں کی مدد اور برکت سے امید ہے کہ اگر ایشور کو منظور ہوا تو کامیابی ہوگی۔ بہرحال میں آپ صاحبان کا نہایت شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو عزت بخشی اور یہ خدمت سپرد کی

اور مجھے اُمید واثق ہے کہ جس دلیری، پیار اور ہمدردی سے آپ نے مجھے گھیرا کیا ہے، اُسی شفقت اور ہمت سے برداشت میری کارگزشت پر ناقد بھی رکھیں گے

رعایا ریاست کی واحد نمایندہ جماعت

یہ دعویٰ واحد نمایندگی کا جو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر نہایت پاکیزہ اور ایماندارانہ دل سے بلا لحاظ مذہب و ملت نہایت سچی ہمدردی، رحم و انصاف اور مساوات کا عمل درآمد رعایا کے ہر طبقہ میں کرنے کا کام اس جماعت کا ہے۔ اور اصلی تعلقات و باہمی ذمہ داریوں و خدمات کا دائمی اور رعایا کے درمیان سلسلہ جوڑنا اور دیرپا کرنا ہے۔ اور رعایا راجا اور ہر ایک کے آگے اپنے ہر قول و فعل کی جوابدہی کرنا ہے۔ اگر امن و اطمینان باہمی ہر طرح محنت پیار زندگی و موت کا سا تعلق مشترکہ ذمہ داریوں اور پسندیدہ پائیدار اور تعلقات برادرانہ کا منشا مبارک، ہر دو متعلقین کا ہے، تو اسے پورا کرنے [illegible] مساوات [illegible] کوئی جماعت [illegible] الاف پیشتر سے اس نے ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں ہے۔ البتہ غریب رعایا یا ترازو کے دونوں پلڑے برابر نہیں ہے، جسکی ذمہ دار ہماری بدقسمتی یا کمزوری ہے اس بیچاری غریب رعایا کے سامنے جیسا کہ چاہیے سرخرو نہیں ہو سکی۔ اور وہ طبقہ جو ہر طرح محتاج اور قابل امداد ہے توجہ کا مستحق ہے ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اُسے انصاف و مساوات اور ذمہ داری کے لحاظ سے کمتر کمزور خیال کیا جائے۔ تاہم اس سبھا کا پورے طور پر ساتھ نہیں دیا۔

جب اسے خدا سا مال فائدہ ہوتا ہے اور شہرت کی خواہش پوری ہوتی ہے چونکہ ایسے اسمبلی کی بنیاد ہے اور جس سے خود غرضی و لالچ پرورش پاتا ہے۔ وہ اور بہت بلاتے ہیں اور سارے کام چھوڑ کر جمع ہو جاتے ہیں مگر جہاں بے غرضانہ خدمت، سچی محبت جو قانون اخلاق اور خدائی حکم ہے اور انسان کا اصلی فرض اور دھرم ہے کو پورا کرنے کا وقت آتا ہے تو بار بار عرض داشت کرنے پر تشریف نہیں لاتے۔ اور اگر تشریف لے بھی آئیں تو جیسی کہ چاہیے دلچسپی نہیں لی جاتی۔

خادمانِ قوم و ملک کو شمولیت کی دعوت

ایسے خادمان کی کامیابی کا راز صرف ایک بات یہ ہے کہ جو لوگ بالکل دنیوی خود غرضانہ اغراض اور لالچ سے بالاتر ہیں۔ اور بغیر حق خدمت و سچی محبت کو دھرم سمجھتے ہیں۔ اور جن میں قوت رحم موجود ہے جو واقعی ایک خدا کو مالک رب العالمین، لہٰذا رحیم و کریم سمجھتے ہیں۔ یا جو جیسا کہ قربانی پوری محنت کا چلن رکھتے ہیں وہ اس میں شامل ہو جائیں۔ اس میں صرف ایک رشتہ ہے اور وہ انسانی بھائیوں کا ہے "ایک پتا ایک سے ہم بالک" یعنی پریم پیار پر مانتا ہے۔ اور ہم سب انسان اس کے بھائی ہیں۔ یاد رکھو کہ خواہ کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو جائے خدائی بندوں سے خادمان کی ہستی موجود رہے گی اور دن بدن بڑھتی جائے گی۔

ڈوگرہ سبھا حکومت کی نگاہ میں

باوجودیکہ ابتدا میں ڈوگرہ سبھا کے تمام آنے والے واقعات حالات و پیچیدگیوں ذمہ داریوں کو مدنظر رکھ کر ڈوگرہ ملک نے اس کی منظوری دی۔ اور اس کی کاروائی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا رہا۔ لیکن اب

ویسا محسوس ہوتا ہے کہ چند با اقتدار اشخاص مخالفین کے زیر اثر ابھی موجود
کارواں کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ
کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ راہ راست یک طرفہ پالیسی کو کام میں
لا کر ایک دوسرے کو اقلیت میں رکھ کر کام چلایا جائے۔ تاکہ مشترکہ متحدہ
آواز یا طاقت تقریباً صفر ہو جائے۔ اور اس کی دست اندازی خواہ وہ
کیسی بھی مفید یا کارآمد ہو دور ہو جائے۔ اور ایسے طریقے سے تھوڑی
بہت اصلاح کی جاتی ہے کہ گویا وہ پبلک آواز کے زیر اثر نہیں بلکہ خود بخود
کر رہی ہے۔ یعنی کسی طرح بھی پبلک رائے کی پابند اپنے آپ کو نہیں کی۔
اور تعجب یہ ہے کہ موجودہ اور خاص طور پر پاس خاطر و ادب کو مد نظر
رکھتے ہوئے اشخاص کو کمزوری اور بے بسی پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور شرافت
تابعداری کا قطعاً خیال ہی نہیں کیا جاتا۔ ورنہ جیسا کہ سنتے ہیں کہ اس کی
خدمات والی اور رعایا کے لئے نہایت زندگی بخش اور امن پسند ہیں۔ تو پھر
اس قسم کے خیالات کا موجود ہونا اگر واقعی ہے تو قابل افسوس ہے۔ یہ
اچھا ہو کہ گورنمنٹ اس خیال کو جو پیدا ہو چلا ہے۔ دور کرنے کا انتظام فرمائے۔
تاکہ پبلک رائے کی قدر دانی اور اہمیت بڑھے۔

نام نہاد نمائندگان رعایا

نہ معلوم کس خیال سے سرکاری طور پر چند ایک سرکردہ نمبردار
اور ذیلدار وغیرہ کو پیش کر حالات دریافت کئے جاتے ہیں۔ شاید یہ
دکھانے کے لئے کہ پبلک کی آواز کی قدر کی جاتی ہے اور یہ کہ حکومت پبلک
رائے کا خواہ حسن خیال ہے۔ اور یہ کہ وہ گھر گھر خرابی یا تکلیف کا انسداد چاہتی ہے
وغیرہ۔ اگر یہ خیال ہے اور یہی نیک نیتی ہے تو مبارک ہے۔ مگر اس کا طریقہ

قطعاً غلط فضول اور بے قاعدہ ہے۔ جو اپنی ذاتی اغراض لالچ کیوجہ سے
ذہنی اور خارجی شہرت و عزت کے خیال ان لوگوں کے قبضہ میں ہیں جن
کے خلاف انسانیت ایسے سلوک سے شکایت کی ہوئی ہے اور رعایا دن رات
نالاں ہے۔

غریب رعایا کی حالت

اب تک محض غریب رعایا کی حالت کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ حالانکہ
دیگر ضروری امور کی تفصیلات بیان کی جاتی ہے اور جو اصل کام ہے۔ اس
کی طرف خاطر خواہ دھیان نہ دینا ایک گناہ ہے اور جب رعایا کی بہبودی
بہتری راجہ کا فرض ہے۔ اور اس میں راج کی ترقی و قائمی یقینی ہے تو پھر
سچائی کو ظاہر کرنا اور مریض یا دکھیا کی حقیقت بیان ذکرنا انصاف
کا خون ہے اور اپنے آپ کو اس متبرک خدمت کے ناقابل ثابت کرنا ہے
اگرچہ مہاراجہ بہادر نے کئی تکالیف رعایا کے انسداد کی کوشش فرمائی ہے
اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کی شکایات نہ رہیں۔ پھر بھی غریب دکھی رعایا
بیشمار تکالیف میں مبتلا ہے۔ ان کے دکھ درد آہ و بکا کی داستان جسم
کے رونگٹے کھڑے کرنیوالی ہے۔ مختصراً لوگ بیماری کمزوری، افلاس
جہالت، غلامی جیسی عظیم خطرناک بیماریوں کا شکار ہو رہی ہے۔ یہاں
غریبوں دکھیوں کی صحیح کیفیت لفظوں میں بیان کی جانی مشکل ہے
یہ تو محسوس کرنے کی چیز ہے۔ اور یہ وہی دل جانتا ہے۔ جس میں رحم کا مادہ
موجود ہے۔ اور جو در اصل عاشق یعنی فدا والا ہے اور جو انسانی زندگی
کے فرض و دھرم کو سمجھتا ہے۔
آپ نے یہاں ان تکالیف و نقصانات کا بالتفصیل ذکر کیا جو

غریب دیہاتی رعایا کو محکمہ جات بندوبست مال، آبپاشی، ریشم، محکمہ کسٹم، ووٹوں وغیرہ کے ہاتھوں اٹھانی پڑتی ہے۔ رشوت ستانی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: "بلاشبہ رشوت زوروں پر ہے۔ جہاں رشوت لینے والے قصوروار ہیں وہاں دینے والے بھی ہیں۔ لیکن یہ مجبور ہیں کہ یہ طریقہ ایک جائز اور مستقل صورت اختیار کرچکا ہے اور عوام صحیح انصاف ہی نہیں بلکہ رشوتی کا انصاف چاہتے ہیں۔ اُن کے ذہن نشین ہوچکا ہے کہ بغیر رشوت دیئے کے کام ہو ہی نہیں سکتا۔

اقتصادی حالت

بیکار طبقہ اور جن کے پاس کھیتی باڑی کے کام سے وقت بچ جاتا ہے اور اپنی ضروریات صرف پیداوار فصل ہی پوری نہیں کرسکتی، کی زندگی کو قائم رکھنے، اُن کی پریشانی خوف و ہراس کو دُور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا حل سوچا جائے۔ نیز بیکاری کا علاج جس کے لئے ہر سال واویلا کیا جاتا ہے، کیا جائے۔ اس لئے حسب ذیل تجاویز کارگر ہوں گی:

گھریلو دستکاری

اس کا قریباً خاتمہ ہوچکا ہے۔ جبکہ کوئی حفاظتی تجاویز عمل میں نہ لائی گئیں۔ بلکہ اس کے برعکس بدیشی مال کی کثرت سے درآمد استعمال کی وجہ سے نرخ کے مقابلہ پر، بچی کھچی صنعت جاتی رہی۔ شکر کا مقام ہے کہ مہاراج بہادر نے یہاں کی چیزوں کا دفاتر میں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے لئے صاحب موصوف کا نہایت ہی شکریہ ادا کیا جاتا ہے بلکہ جنہوں نے بہت حد تک غربت کو دُور کرنے اور رعایا کی ہمدردی اور فائدہ کی تجویز نکالی ہے۔ گو بظاہر یہ بات دل خوش کن اور نیک خیال

ہے۔ مگر اس پر اس خیال سے عمل کرنے کی سختی سے ضرورت ہے کہ خاص وہی چیزیں استعمال کی جائیں جو یہاں بنتی ہوں۔ اور کپڑا ان کا کھدر کا ہو۔ جس قدر گھریلو دستکاری ہے۔ اُسے فروغ دینے اور لوگوں کو فرصت کے وقت کا نہایت کارآمد حصہ استعمال میں لانے کے لئے جس سے بلاشبہ لاکھوں کا فائدہ ہے۔ اور بھوک اور غربت کا علاج قرار واقعی ہوسکتا ہے۔ سرکاری امداد خاطر خواہ ملنی چاہیئے۔ اس میں سرکار کا بہت بڑا خرچ نہیں ہوگا۔

انڈسٹریل بینک کا قیام

اس سلسلہ میں قدرتی پیداوار سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ رعایا کو ملنا چاہیئے۔ جس میں جنگلات اور معدنیات شامل ہیں۔ اب تک جس قدر محکمہ جنگلات نے آمدنی دکھائی ہے۔ اور جس کی بناء پر بڑا بھاری نفع محکمہ جنگلات کا ہے۔ وہ موجودہ شاخ کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ بلکہ سابقہ مال کے فروخت کرنے سے ہے جو صدیوں سے محفوظ پڑا تھا۔ اور نرخ کی زیادتی ہے۔ اب تک شاید نیا ایک درخت بھی لگا کر فروخت کرکے قیمت نہیں آئی ہوگی۔ پرانا مال ہی صاف کیا جارہا ہے۔ اور پھر کٹائی، چرائی، ڈھلائی [illegible] وغیرہ خالص مزدوری کا کام ہے۔ پھر بھی اس کے رعایا کو کوئی موقعہ نہیں دیا جاتا۔ اور جس طریقہ سے کٹائی کا کام جاری ہے۔ ممکن ہے کسی وقت موجودہ آمدنی کا خاتمہ ہی ہوجائے۔ سرکاری طور پر کٹائی چرائی کا کام نہیں کیا جاتا۔ جس میں رعایا کے افراد کو شمولیت کا موقعہ دیا جائے۔ اور جو لاکھوں روپیہ باہر جاتا ہے۔ اور پھر لاکھوں کا نقصان بیدردی سے ہوتا ہے [illegible] در اصل ایک انڈسٹریل بینک کھولا جانا چاہیئے۔ جس میں خاص حصہ [illegible]

سرکاری اور پرائیویٹ طور جمع ہو۔ اور اس کی امداد سے جنگلات کے ٹھیکے جات دیگر ضروری کارخانے مثلاً ریزن فیکٹریاں، شالبافی کا کام اور کھدر بھنڈار کا کام وسیع پیمانہ پر شروع کیا جائے۔ اور پھر تمام اشیاء جو ریاست میں بنتی ہیں۔ انکی جانچ پڑتال کرکے مشتہر کی جائیں۔ اور ان کو وسعت دی جائے۔

ذرائع آمدنی کی حقیقت

اب اس ساری کیفیت بالا کے معلوم کرنے سے صحیح حال معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ آمدنی نہیں ہے۔ بلکہ از دست نقصان ہے۔ اور کروڑوں روپیہ رعایا اور سرکار دونوں کا نقصان ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں بمشکل تمام اسقدر آمدنی دکھائی جاتی ہے۔ جس سے سالم نہیں تو قریباً ساری آپس میں بانٹ لینے کی گنجائش رہے۔ اور بظاہر چند سوں کی بحث جاری رہتی ہے اور افسوس ہے کہ بجٹ پر اسقدر زور دیا جاتا ہے۔ اور اتنی توڑ پھوڑ کی جاتی ہے کہ جس کا اندازہ نہیں۔ اور پھر سینکڑوں ادنٰی ملازمان پر توڑ گرتا ہے۔ جس سے ان کی زندگی میں سخت مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جس ملک کی رعایا اتنی غریب اور مفلس ہو کہ پیٹ بھر کر روٹی نہ ملتی ہو۔ اس میں اس قدر روپیہ تنخواہوں اور دیگر نمایشی کاموں پر خرچ کیا جائے۔ جہاں بازاروں اور سڑکوں کو کشادہ اور خوش وضع بنانے کی فکر ہے۔ حالانکہ شہروں کی خوبصورتی یا سڑکوں کی کشادگی سے شہر کے بہت تھوڑے لوگوں کو آرام ملتا ہے۔ مگر لاکھوں افراد اور رعایا کی دیکھ بھال کا کم خیال رکھا جاتا ہے۔ جن کا روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اُن کے آرام

کے لئے دسیوں اُن کی جان کو قائم رکھنے کے لئے بھی تو کچھ خرچ کرنا چاہیئے

ہمارے دولتمند سرمایہ داروں کا گناہ

اب جہاں حکومت کے کارپردازوں کی طرف سے لاپرواہی اور عدم توجہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں آسودہ اور دولتمند بھائیوں سے بھی کچھ عرض کرنا ہے کہ وہ کس گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور ان کی خاموشی اور غیر ہمدردی کس حد تک قابل افسوس ہے۔ اپنے غریب دیہاتی کوہستانی بھائیوں کے دکھ درد میں شریک ہونا اور ان کی تکالیف یا خادم جماعت کے ساتھ ملکر ہمدردی کرنا تو درکنار شہروں میں اپنی اپنی جائے مسکن پر اطمینان سے بیٹھ کر وہ اپنے انسانی فرائض کی ادائیگی میں غافل ہیں وہ مہربانی کرکے حسب ذیل حالات کو دل پر ہاتھ رکھکر سُنیں۔ مال مویشی اور کتوں اور پرندوں کو تو شاید کھانا دیا جاتا ہوگا مگر سخت افسوس ہے کہ انسانی جماعت کی طرف سے جن کے پاس ہر چیز کے ذخیرے موجود ہیں اور جو آسانی سے غریبوں کی دل کھولکر مدد کر سکتے ہیں۔ ان کی خبر گیری نہیں کی جاتی۔ اس سے بڑھکر گناہ اور بے رحمی کیا ہے کہ ان کی خبر گیری کئے بغیر ہم خوب لذیذ کھانے کھاکر آرام گاہوں میں ریشمی قالینوں اور مخمل غالیچوں اور اطلسی کمبلوں اور رضائیوں میں پڑے بدمستی اور مدہوشی میں عیش و عشرت میں غرق ہو رہے ہیں۔ کیا ان غریبوں بھوکوں تڑپنے والوں کے دلوں کی آہ کچھ اثر کئے بغیر رائیگاں جائے گی۔ ہرگز نہیں اور کیا ان کی طرف جاری غفلت اور لاپرواہی ہی نہیں بلکہ بے رحمی اور خلاف انسانیت عمل سزا سے بچا سکیگا۔ ہرگز نہیں۔ شہری لوگ بازاروں اور سڑکوں پر رنگ برنگ کے لباس میں ملبوس پھرتے اور کاروباری لوگ دکانوں پر بیٹھے نہ معلوم

کس مدہوشی میں ہیں۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ شہر کے اندر دکھیوں کے گھروں میں دوزخ کی آگ جل رہی ہے۔ بھوک کے بیمار تڑپ رہے ہیں ڈاکٹر بغیر فیس ملنا مشکل ہے۔ دوائی کے لئے پیسے نہیں۔ خوراک دودھ، گوشت، چاول بتائے جاتے ہیں۔ مگر وہاں تو جو کا آٹا بھی نہیں۔

ہماری نیت صاف ہے

ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر سچے دل سے کہتے ہیں کہ ہماری نیت صاف ہے۔ ہم ہر طرح امن و اطمینان و انصاف چاہتے ہیں۔ اور ہمیں اپنا مہاراج بہادر اپنی جان سے بڑھ کر پیارا ہے۔ اور ہم صدق دل سے اس کے ساتھ وفاداری و جاں نثاری کے تعلقات صحیح معنوں میں قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اب تک صاف طور پر اس کا ثبوت دے چکے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ مہاراج بہادر دل سے رعایا کی بہتری اور بہبودی چاہتے ہیں اور ہرگز سختی جبر رشوت ستانی پسند نہیں کرتے۔ مگر افسوس کہ نگرانی خاطر خواہ نہیں ہے۔

مجھے ذاتی طور پر مہاراج بہادر سے بڑی محبت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا دل صاف ہے۔ اور رعایا سے محبت کا منصفانہ سلوک کرنے کے خواہشمند ہیں۔ مگر مہاراج بہادر کی منشاء مبارک کا صحیح عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ بہت حد تک بیرونی ایجنسی کا عمل دخل ہے۔ اس لئے ہماری اس مشکل کا حل بھی آسان ہو جانا چاہیئے۔

ہماری ضروریات اور مطالبات

اب آخر میں ان مطالبات کا ذکر کیا جانا ضروری ہے۔ جن کی اشد ضرورت ہے اور جن کے پورا کرنے کے بغیر واقعی صحیح معنوں میں

رعایا کی بہتری نہیں ہو سکتی۔

لیجسلیٹو کونسل

کئی سالوں سے بلکہ شروع سے احباب کی کوشش رہی ہے کہ جب تک رعایا کے حقیقی نمائندوں کی آواز بطریق مساوی حکومت میں نہ ہو تب تک صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی طریقہ رعایا کی بہتری اور ان کی داد فریاد پہنچانے کا باقاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بیشک جس قدر اعتراضات احکام و قانون جاری ہوئے اور شور و شر ہوا۔ وہ صرف اسلئے ہوا کہ رعایا چند جانا ان کا اثر ہوتا تھا۔ جنہیں پوچھا گیا۔ اب اگرچہ کوشش کی گئی ہے اور تلخ تجربہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ رائے لیجائے مگر ایسی رائے کی کچھ حقیقت نہیں۔ جیسے پہلے سے ہی ایک رسمی اور مکرر سمجھ لیا جاتا ہے۔ کیونکہ رائے دینے والی جماعت کو ہی اس پوزیشن اور ذمہ داری میں محسوس نہیں کیا جاتا۔ جس میں اہلکار ذمہ دار بیٹھے ہیں۔ اس لئے نہایت ضروری ہے اور رعایا اور راج ہر دو کے حق میں نہایت مفید ہے کہ ایک اسمبلی بنائی جائے۔ تاکہ وقت پر رعایا کی آواز تحسین ہو جائے اور بعد میں کسی قسم کا شور نہ ہو۔ امید ہے کہ اس کے متعلق ریزولیوشن پیش ہو کر ضرور پاس ہوگا۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ کانفرنس کسی طرح بھی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ جو رعایا کی واحد نمائندگی کا اپنے اوپر رکھتی ہو۔ بلکہ بظاہر یہ نہایت قابل اعتراض اور شک پیدا کرنے والی کارروائی ہے۔

جو قانون پبلک میٹنگ نوٹیفکیشن جاری ہو چکا ہے۔ جس کے لئے ہر طرح سے منسوخ کرنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اسے اب تک

منسوخ نہ کرنا گویا وفاداری کے جذبات کو مجروح کرنا ہے۔ اور یہ باہمی بے اعتمادی اور شک کو جگہ دیتی ہے۔ اور حقیقی اصلاحی کام میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ یہاں کوئی بیگانہ یا غیر نہیں۔ اس ایکٹ کا اثر نہ صرف مذہبی دھارمک جلسوں دیوانوں وغیرہ پر پڑا ہے۔ بلکہ سوشل اور اخلاقی امور کی اصلاح اور رعایا میں فضول و بیہودہ کارروائیاں کو بند کرنے پر ان کی صحت اخلاق اور دل و دماغ کی ترقی کے لئے جس سے وہ جس حد تک رہا دُکھ و نقصان آپ دور کرنے کے قابل بن سکیں پرچار میں بھی روک پڑ گئی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ریزولیوشن نمبر ۱۲ سال گذشتہ کانفرنس میں پاس ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ ایکٹ منسوخ ہو جانا چاہئے۔

خوشی کا مقام ہے کہ سرینگر میں چرخہ سنگھ کی برانچ اور جموں میں ڈوگرہ صدر سبھا کی طرف سے کھدر بھنڈار کھولے گئے اور شدھ کھدر تیار ہو کر عوام میں عملی طور پر سودیشی پرچار ہو رہا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ سرکاری طور پر خاص مالی امداد کی جائے تاکہ وسیع پیمانہ پر گھریلو دستکاری کو بڑھا کر تیار کر سکیں۔ اور دفاتر میں اُن کا بنا مال ہی استعمال ہو سکے۔

امداد غربا کا فنڈ

چونکہ پبلک میں سے سرمایہ داروں دولتمندوں کی طرف سے باقاعدہ غریب طبقہ سے ہمدردی کا مادہ نہیں بڑھایا جاتا۔ اور نہ ہی سرکاری طور پر امداد کا کام جاری ہے۔ جس سے دُکھ والے حالات بڑھ رہے ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ایک فنڈ کھولا جائے۔ اور اسے امداد غربا

پر خرچ کیا جائے۔ جو بلا لحاظ مذہب و ملت ہر محتاج غریب اپاہج کی مدد کیا جائے۔ اور جو کام کر سکتے ہیں ان کو کام بہم پہنچایا جائے۔ تاکہ وہ روزی کما سکیں۔ اور جہاں شہروں میں امداد فنڈ سے کام لینے کی ضرورت ہے وہاں دیہات میں اور بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ اتنی بڑی حالت میں ہیں۔ حیرانی کا مقام ہے کہ لاکھوں روپے دھرمارتھ میں موجود ہیں اور پھر انسانی جانیں دُکھی اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔ نہ معلوم دھرمارتھ کے کیا معنی ہیں۔ یہ تجارتی یا سرکاری محکمہ تو نہیں ہے۔ اور جبکہ مہاراجہ بہادر نے اعلان فرمایا ہے کہ ان کا ایک ہی دھرم ہے۔ اور وہ انصاف ہے تو پھر انصاف محبت ہمدردی اور بے غرض خدمت میں اس رقم کو کیوں صرف نہ کیا جائے۔ اور جو غریب رعایا مہاراجہ بہادر کے جان پران اور بچے ہیں ان کی ہمدردی اور پرورش پر کیوں نہ خرچ کیا جائے۔ کیا یہ قابل افسوس نہیں ہے کہ روپیہ اور خاص فنڈ موجود ہو۔ اور جن پر خرچ ہونا ہو وہ ہستیاں دُکھی ہوں اور محکمہ کی بڑی بڑی اسامیوں پر روپیہ خرچ کر دیا جائے۔

رعایا کی اصل حالت کی خبر رکھنا

کیا ہی اچھا ہو گا کہ مہاراجہ بہادر ریاست کے علاقہ جات اور رعایا کی حالت کی پندرہ روزہ صحیح رپورٹ منگوائیں۔ اور خود سُنیں اور فوراً انسداد کریں اور پھر منسٹران کو حکم دیا جائے کہ وہ ان برائیوں کی اصل یا فرضی ہونگی۔ جانچ پڑتال موقعہ پر جا کر کریں۔ جب تک مکمل و صحیح خبر اصلاح جو حالات رعایا کی مہاراجہ بہادر کو نہ ملیگی۔ تب تک انہیں مطلقاً علم ہو ہی نہیں سکتا کہ کیا حالت ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ جن کی طرف

سے ہزاروں تنخواہ پاتے رہتے ہیں۔ ان کی بابت گفتنا بھی بڑے اہلکاران گوارا نہیں کرتے۔ سیر و سیاحت اور عیش و نشاط جلسوں میں شریک ہونے کا ان کے پاس وقت ہے۔ وہ اتنی اونچی جگہ میں بیٹھے ہیں کہ ہر ایک صادق بے غرض محض دوسروں کی بھلائی چاہنے والا بھی ان کے پاس حاضر ہو۔

خفیہ پولیس کو ہٹایا جائے

خفیہ پولیس کا محکمہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ یہ تو جہاں فارن گورنمنٹ ہو اور صریحاً مقابلہ ہو، حد سے زیادہ بے اعتمادی اور اظہار ناراضگی و نفرت کا جذبہ بدرجہ کمال ہو۔ وہاں ممکن ہے۔ خفیہ حالات کی اطلاعات حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہو مگر جب کہ ہمارا راجہ ہمارا اپنا جان پہچان ہے اور زندگی موت مشترکہ ہے جہاں مرنا جینا اور مشترکہ ذمہ داریاں اور نیکی دیتی ہے اور پھر صحیح اور وقت پر اطلاع ہر قسم لینے اور خرابی کو دور کرنے کیلئے تیار ہیں۔ جس پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا تو یہ بوجھ کیوں خزانہ پر رکھا جاتا ہے۔ کیا رشوت خور، چور، بدمعاش، ڈاکو، رہزن، جواریوں کی اتنی ہی جانچ پڑتال کی جاتی ہے جتنی کہ مذہبی آدمیوں، دھارمک پرچارکوں اور بہی خواہ وفادار اور قوم و ملک اور سرکار کی ایک میٹنگ ڈوگرہ سدر سبھا کی محض ایکٹ انتقال اراضی کا مسودہ جو سرکاری طور پر رائے کے واسطے بھیجا گیا تھا، کے لئے بلائی گئی تھی۔ اس میں چار پانچ پولیس کے افسران موجود تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ کس طرح رعایا کا روپیہ برباد کیا جا رہا ہے اور کس قدر بے اعتباری اور خطرہ کا وہم و گمان قائم کیا گیا ہے۔

چنگی معاف ہونی چاہیئے

جس قدر جلد ممکن ہو سکے چنگی معاف ہونی چاہیئے۔ یہ بیچاری غریب رعایا پر بیجا بوجھ ہے اور ان کو بڑی تکلیف ہے۔ گھنٹوں محاصل کے دروازے پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ یہ ایک زحمت ہے اور حکومت کے لئے بھی بدنامی کا باعث ہے۔ معمولی سبزی، میوہ اور سوتی کپڑا، دیسی سوت وغیرہ جو باہر سے ظہور پذیر آتا ہے، چنگی لی جاتی ہے۔ یہ سب ہٹا دینی چاہیئے۔ نہایت غریب بوڑھے بچے عورتیں تنگ ہوتے ہیں اور لاد کر جانور سبزی جنس اور دیگر چیزیں بیسیوں گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں اور یہ بڑی بیچاری پابندی مقرر راستوں پر آنے جانے کی ہے۔ اس قدر بھاری بوجھ کا چھڑانا اور دیگر اخراجات کا اٹھانے کے باوجود بھی ان کو ہرگز کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں ہے۔ یہ چنگی کیا ہے جان کاہش ہے۔

جوڈیشل اور انتظامیہ کے اختیارات کا جداگانہ ہونا

یہ نہایت ضروری ہے کہ جوڈیشل و انتظامیہ کے اختیارات جداگانہ ہوں۔ تجربہ سے پایا گیا ہے کہ جو مالی افسران رعایا کی بہبودی اور بہتری کی تجاویز سوچنے اور ان کی خبر گیری کے لئے دورہ مقرر کئے گئے ہیں، وہ فوجداری مقدمات میں ہی مصروف رہتے ہیں اور اپنا اصلی فرض "دورہ کاغذ استعمال کی پڑتال، گرداوری، بردی برآمدی زمینداران رعایا کے و مال مویشی و فصلات کی دریافت خاطر خواہ نہیں کر سکتے۔ اور علاوہ بریں جہاں کسی کو غرض اور دوسرے، مگر حسب دل خواہ نہ مل سکا یا پوری توقع نہ ہوئی فوراً فوجداری کیس ادھر ادھر سے بنا کر جوڈیشل اختیارات استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور چپراسی کے ذریعے جس کو چاہیں پھنسانا آسان ہے

کوئی چیز جو اس کے ہاتھ آئی لا کے گھر میں پھینک دی۔ اور پگڑی اُتار کر تحصیلدار یا وزیر وزارت کے پاس دوڑتا آگیا۔ بس پھر کیا تھا بر ملازم سرکار کا جرم عاید ہوگیا۔

ایک مجسٹریٹ کے اختیارات کا استعمال عموماً دیکھا گیا ہے کہ جتنے جوڈیشل مقدمات محکمہ مال کے افسران کے پاس ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر فیصلہ کرنے میں دیر لگتی ہے۔ کیونکہ ان کو مال کا کام زیادہ ہوتا ہے اور دورہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کا تجربہ، تعلیم، قانون دانی خاطر خواہ نہیں ہوتی۔ اس طرح اختیارات جوڈیشل محکمہ کسٹم یا بندوبست یا سروے یا شکارگاہ کے افسران کو دئے گئے ہیں۔ وہ سب واپس لئے جانے چاہئیں یہ کام صرف محکمہ جوڈیشل کا ہے۔

زرعی تعلیم

اگرچہ ڈائرکٹر صاحب اگریکلچر مقرر ہو چکے ہیں۔ اب بھی اس کام کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ اُمید ہے کہ جلدی میوہ دار درختان سے لگا کر زمینداران کو باغات لگانے کی ترغیب و تحریص دی جائیگی اور علاوہ ازیں ملازمین متعلقہ کو ساری ریاست کا دورہ کر کے جا بجا علاقہ جات کے دیہات میں لیکچر دینے چاہئیں۔ اور مناسب پیداوار بڑھانے زراعت کو فروغ دینے وغیرہ کی ہدایت دینی چاہئے۔ اور جہاں قطعات سرکاری اس قابل موجود ہیں کہ باغ لگ سکیں وہاں باغات لگائے جائیں۔ اور اچھے عمدہ بیج اناج و سبزی وغیرہ کے تقسیم کئے جائیں۔ سبزی و ترکاری کے بیجوں کی بڑی ضرورت ہے۔ اس طرح گندم مکئی کے بیج رکھنے اور اچھی پیداوار کرنے اور آلو وغیرہ کی کاشت کے طریقے مختلف

پمفلٹوں کے ذریعے بتانے اور مشتہر کئے جانے چاہئیں۔

منشیات

جہاں سگریٹ تمباکو کی مخالفت نابالغان کے لئے قانون بنا کر حکومت نے بہت حد تک اس ناروا مرض کو جس سے باشندہ جسمانی اور مالی خاصہ نقصان ہو رہا ہے کم کرنے کی کوشش کی ہے اور جس کے لئے ہم بڑی خوشی اطمینان اور صدق دل سے شکریہ ادا کر چکے ہیں۔ وہاں اگر اس کا محدود آمد بھی سختی سے کرایا جائے یعنی نگرانی سخت ہونی چاہئے۔ تو یہ کارآمد ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ پبلک میں خود بخود ایسی قبیح عادات کو چھوڑنے کا خیال نہیں آتا اور وہ اپنا فرض نہیں پہچانتے۔ اور چونکہ وہ خود اس خراب عادات کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس لئے وہ حتمی طور پر چھوٹے لڑکوں کو منع نہیں کرتے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے سگریٹ تمباکو پی رہے ہیں۔ وہ واقعی بدقسمتی ہے کہ ایسی اصلاحات کے لئے ہم حکومت کے محتاج ہیں۔ اور جب تک اس قسم کی محتاجی رہیگی۔ تب تک ہم اپنے پاؤں آپ کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکیں گے۔

راستہ جات دیہاتی و پلوں کی تعمیر

جو لوگ راہ کی جان پران ہیں انہیں خاطر خواہ سہولت بہم نہیں پہنچائی جاتی۔ اب تک نہ صرف علاقہ جات میں دیہات کی اندرونی سڑکیں ہی نہیں بلکہ اضلاع اور تحصیلات کے درمیان عام سڑکیں بھی نہیں بنائی گئیں جس سے آمد و رفت میں رعایا کو بڑی سخت تکلیف اور نقصان ہے۔ علاوہ ازیں دریاؤں اور بڑے بڑے پہاڑی خطرناک نالہ جات پر پل نہیں بنائے جانے بار بار عرضداشتیں پیش کی جاتی ہیں

شہر کی سڑکوں اور عمارات کا لاکھوں روپیہ خرچ ہوتا ہے غریبوں کے لئے رقم بچا نہیں سکتے۔

فلڈ سکیم پر خرچ

شہر اور چند دیہات میں جانی کو بچانے کے لئے بیشک یہ کام نہایت اچھا ہے مگر اس کے ساتھ دیہات کے درمیانی نالہ جات پر پل کیوں نہ باندھے جائیں۔ اور کیوں سڑکیں تیار نہ کی جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کارپردازان محکمہ صرف اس طرف توجہ کرتے ہیں جہاں ان کی موٹر پہنچ سکتی ہے اور جہاں دورہ کرنا سخت محنت کا کام ہے وہاں کا خدا حافظ۔

آبنوشی کی سکیم

آبنوشی کے پانی کی بڑی تکلیف کنڈی اور دیگر خشک علاقہ جات میں ہے۔ یہاں اس کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ اس لئے ہماری مؤدبانہ التماس ہے کہ ہمارا جہاں دار ایک دفعہ بچشم خود تمام علاقہ کنڈی کو جیٹھ ہاڑ میں ملاحظہ فرمائیں تاکہ جو تکالیف باشندوں کو ہو رہی ہیں۔ اور جو کام محکمہ کنڈی نے کیا ہے اس کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔ کون نہیں جانتا کہ پانی جیسی ضرورت زندگی کے بغیر سخت دکھ ہوتا ہے۔

اسلحہ جات کی مخالفت نہیں ہونی چاہیئے

کشمیر اور مظفر آباد میں بندوق رکھنے اور اس کے استعمال کی مخالفت ہے اور خاص لائیسنس ضروری ہے۔ اس روک نے وفادار رعایا کو جس نے وقت کا انتظار ہے، بالکل نامرد کمزور بنا دیا ہے۔ اور اب تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی دیہاتی یا پہاڑی آدمی کسی کے ہاتھ میں بندوق دیکھتا ہے تو ڈر سے کانپنے لگتا ہے جہاں اس حد تک ڈر اور کمزوری رعایا میں پیدا

ہو جائے، وہاں کس حد تک حکومت اپنی حفاظت کو قائم رکھنے یا مضبوط بنانے کا خیال کر سکتی ہے۔ عجیب کیفیت ہے یہاں شکاری تو جنت چاہیے شکار کریں۔ اور دن رات فائر کرتے پھرتے رہیں۔ مگر رعایا اپنی فصلوں جن پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہے کو بچانے کے لئے اور مال مویشی کی جان کو شیر چیتا ریچھ سے محفوظ رکھنے کے لئے بندوق استعمال نہیں کر سکتے یہ رواج کے حق میں بڑا نقصان دہ ہے۔ اس لئے کیسا بھی مخالفت نہیں ہونی چاہیئے اور جس طرح جموں پرانس میں اجازت ہے۔ اسی طرح کشمیر لداخ گلگت وغیرہ میں بھی ہونی چاہیئے۔ رعایا کے قدیمی حق اور آزادی چھا لڑانکا بہادروں کو کمزور اور برباد کرنا ہرگز دور مصالحت ہے اور نہ فائدہ بلکہ سراسر نقصان ہے۔

تعلیم

پرائمری تعلیم جن قصبہ جات اور شہروں میں لازمی قرار دی گئی ہے یہ نہایت نیک خیال ہے۔ اور اس کے لئے سرکار کا جتنا بھی شکر کیا جائے تھوڑا ہے۔ مگر ان میں بہت غریب لڑکوں کے ذریعہ معاش اور کتابوں کے اخراجات کا بھی فکر کرنا پڑیگا اور ممکن ہے کئی لڑکے ایسے ہوں جو کچھ محنت مزدوری کر کے یا نوکری کر کے صورت گذارہ پیدا کرتے ہوں گو ان پر جبری تعلیم کا بوجھ ڈالا گیا ہے تو مشکل پیش آئیگی۔ اس لئے جو کمیٹی اس کے متعلق بنی ہے۔ ان حالات و مجبوریوں کو مد نظر رکھکر ہر ایسے غریب لڑکے کو امداد دینے کی بھی تجویز کرنی پڑیگی۔

بیشک تعلیم عام کرنے اور اعلیٰ کرنے کا ہر سال زور دیا جاتا ہے مگر جو تعلیم سکولوں کالجوں میں دی جاتی ہے۔ یہ ہرگز اس قابل نہیں بناتی کہ ہمارے نوجوان لڑکے تعلیم یافتہ ہو کر اپنے غریب ان پڑھ دیہاتی بھائیوں

کی سیوا کر سکیں۔ اور ان کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو سکیں۔ ان لڑکوں کا فیشن طرزِ زندگی دل و دماغ ایسا بنایا جانا چاہیئے کہ یہ ملکی خدمات میں ہمارے شریک ہو سکیں۔ کوئی خاص ہنر کا کام بھی سکھایا جائے۔

ہمارا فرض

جہاں سرکار کے دیگر امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں اپنے بھائیوں سے بھی دو چار کھری کھری باتیں سنانا ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

اول جس طرح پہلے، حکم کی درخواست اپنے غریب بھائیوں کی امداد اور ان کا دُکھ دُور کرنے کے متعلق کی گئی ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے یہ امدادی کام شروع کیا جائے۔ دوم یہ کہ جہاں جہاں پُشتر کا تعلق راجہ اور رعیت کا قائم رہے اور ایک دوسرے کے ساتھ سُکھ دُکھ میں بھی زندگی موت کو مساوی سمجھا جائے اور حقیقی تعلق محبت پیار اور پاس ادب خدمت وفاداری ہو وہاں تو بہت کچھ اصلاحات ہو سکتی ہیں۔ اور سب دُکھ دُور ہو جاتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جب تک ہم آپ وہ تمام اختیار کئے طریقے جس سے غریب رعایا کا دُکھ دُور ہو جائے اور جو بے چینی لوگوں کے اندر ہی اندر خراب صورت اختیار کر رہی ہے مٹ جائے۔

ہمارے پروگرام کا خاص کام

سمجھو یہ متبرک اور کارِ ثواب جو آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ سر انجام دینے کے لئے اپنے چلن طرزِ زندگی کو نہایت سادہ قدرتی اور پوتر بنانا پڑیگا۔ اور تمام دنیوی بڑائی، خفتوں ناپائیدار سامانِ دنیا سے یقین و توجہ ہٹا کر قومی و ملکی خدمات کے کام میں لگ جانا چاہیئے۔ اسمیں سکھ سچائی اور نیک نیتی اور مجسمۂ محبت و خدمت بن جانے کی ضرورت

ہے۔ جہاں ایک پر ماتما پر بھروسہ رکھو گے۔ اور بالکل معصوم ہو گے تو پھر کوئی طاقت آپ کے کام کو بند نہیں کر سکتی۔ مگر کبھی ہمارے اندر تعصب تنگ خیالی، خود غرضی، لالچ، حسد اور پارٹی بازی سازش ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یہ تمام کرنے وغیرہ کی تباہ کن برائیاں پیدا ہو جائینگی اور ہماری نیت میں فرق آجائے گا۔ تو ہم رعایا اور راجہ دونوں کے سامنے حقیر قابلِ سزا اور قابلِ لعنت سمجھے جائینگے۔"

(پتشکرہ نمبر ۳، اپریل ۱۹۳۰ء)

مہاراجہ ہری سنگھ کے نام چٹھی

یور ہائینس!

میں اس کے ساتھ آپ کو اپنی کتاب "انصاف کی تلاش" کا مسودہ بھیج رہا ہوں۔ یہ کتاب ابھی اس لئے چھپوا کر شائع نہیں کی گئی تاکہ میرے مقصد کے متعلق یا میری آپ کی اور آپ کی گورنمنٹ کی طرف وفاداری کے متعلق خواہ مخواہ کوئی شک وشبہ نہ ہو جائے۔ میں اس وقت بھی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کا دل صاف ہے۔ اور آپ اپنی رعایا کی بہتری چاہتے ہیں۔ لیکن جب ہم اُن احکام کی طرف دیکھتے ہیں جو ابھی آپ نے صادر کئے ہیں۔ اور جو کہ انصاف کے سراسر الٹ ہیں۔ اور جنہوں نے رعایا کی سماجی قسمت کو بجائے اچھا بنانے کے بالکل جابرانہ طریقہ سے دبا دیا ہے۔ بجائے مظلوموں کو انصاف دینے کے اور اُن کی اقتصادی زندگی کو بہتر بنانے کے اُن کی حمایت کرنے کے اور ان کی مالی حالت بھی بنانے کے اور ان میں سماجی برائیوں کو بذریعہ پریس و پلیٹ فارم دُور کرنے کے جو حکم صادر کئے ہیں۔ انہوں نے ریاست کے مستقبل (بہبود) کے متعلق جو بھی اُمیدیں تھیں، سب خاک ملا دی ہیں۔ بے شک یہ کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہوا ہے یہ غرور غصہ سے وقتی طور سے ہوا ہے اور یہ کسی دباؤ کے نیچے آ کر کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ آپ خود اپنے دل

سے ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو پھر بھی کچھ اُمید باقی رہ جاتی ہے۔ اور اُمید کی جاتی ہے کہ شاید جو ظلم کی تیز ہوا چلائی اس سندر و خوبصورت علاقہ میں جس پر آپ حکمران ہیں، چلی ہے وہ جلد ہی گزر جائے۔ لیکن اس سچائی سے ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو اقدام یور ہائینس نے اُٹھائے ہیں۔ وہ سراسر بے انصافی پر مبنی ہیں۔ اور انہوں نے رعایا کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ اور اُن کے دلوں میں اس قدر نفرت پیدا کر دی ہے کہ لوگ باغیانہ قدم اُٹھانے پر مجبور ہو اُٹھے ہیں۔ اس لئے تمام وفادار شہریوں اور امن کے چاہنے والوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ یور ہائینس کو عرض کریں کہ یہاں معاملہ بند کرنا چاہیئے۔ اور جو کچھ ریاست میں ہو گزرا ہے اور ہو رہا ہے۔ اسے بند کرنا چاہیئے۔ اگر اس امر کی طرف نگاہ نہ کی تو نتیجہ ریاست اور ریاست کے رہنے والے لوگوں کی تباہی ہو گی۔ اگر موجودہ مناسب وقت میں کچھ نہ کیا گیا تو بعد میں کچھ بھی کرنا بے فائدہ ہو گا۔ شاید آپ کو معلوم نہیں ہو گا کہ پبلک کو دبانے کے لئے جو احکام ان دنوں آپ کی سرکار نے صادر کئے ہیں۔ ان سے آپ کے پاک نام اور پبلک کے نام پر دھبہ لگا ہے۔

اب پبلک کا آپ کی سچائی، انصاف پسندی اور جذبۂ قدردانی کے متعلق وہ تصور نہیں رہا جو پہلے تھا۔ یہ خیال اس وقت صرف ریاست ہی میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں پھیل رہا ہے۔ اس سے پہلے آپ کو ایک ہوشیار، ضمیر والا، خوددار، نہایت ذہین، انصاف پسند شہزادہ سمجھا جاتا تھا۔ اور ان دل و دماغ کی خاصیتوں کی وجہ سے لوگ آپ سے پیار کرتے تھے۔ اب لوگ آپ کو مغرور، شرمیلا، بے انصاف حکمران کہہ کر

پھنکارتے ہیں۔ جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے لوگوں سے اُن کے جائز حق چھین
رہا ہے جو ڈر کے مارے زبان سے دبے ہوئے لفظوں سے پیچھے ہٹ گیا ہو
اور جو ہندوستانی لوگوں کے جذبات کو ہر ممکن طریقے سے کچلنے کے لئے تیار
ہو گیا ہو۔ مجھے معاف کرنا۔ میرا مذہب سچائی ہے۔ میرے دل و دماغ سے
چاپلوسی، خوشامد اور جھوٹی باتیں کرنا دُور ہیں۔ میں اصلیت کا پُجاری
ہوں۔ اس لئے ناراض نہ ہونا۔ یور ہائینس کو خوش کرنے کے لئے اور
خوشامد چاپلوسی کرنے کے لئے تو آگے پیچھے بہت لوگ ہیں۔ لیکن میری
وفاداری اور راج بھگتی جو آپ کے لئے ہے۔ اس چیز کی مجھ سے مانگ کرتی
ہے کہ میں آپ کے سامنے اور پبلک سچائی پیش کروں۔ اب بھی وقت ہے
کہ جو غلطی ہو چکی ہے اس کی تلافی کی جائے۔ آپ جیسا خود دار حکمران
یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ اب بھی آپ کی طاقت کے اندر ہے
کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جذبۂ محبت پیدا کر سکیں۔ اچھے کام کرنے
سے آپ انہیں جیت سکتے ہیں۔ جس چیز کی ہمیں کچھ اُمید کی جھلک ملتی
ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے کیا ہے۔ دانستہ نہیں بلکہ دباؤ کے نیچے آکر
کیا ہے۔ لوگ مجھ جیسے بندوں کو کہتے ہیں کہ آپ ایک مجلسی جادوگر کے زیر اثر
ہیں۔ اس جادوگر سے میرا مطلب آپ کے دیشی اور پولیٹیکل منسٹر سے ہے
جس کے حق میں آپ دست بردار ہو چکے ہیں۔ اس آدمی کے کارناموں سے
معمولی سے معمولی آدمی بھی واقف ہے۔ لیکن آپ جن کے ساتھ وہ ایک
مدت سے چمٹا ہوا ہو شاید ابھی اس کو سمجھ نہیں سکے۔ کتنی افسوسناک
حالت ہے۔ یہاں اب بھی کچھ سمجھدار آدمی ہیں جو صحیح طور پر سمجھتے ہیں
کہ آپ کے خلاف آپ کی ریاست کے خلاف اور آپ کی [illegible] خلاف

ریذیڈنسی سے در پردہ ملا ہوا ہے۔ اس نے پہلے اس نے آپ کو دھوکا دیا
اور پھر آپ سے ریاستی عوام کے خلاف سب کچھ لکھوا لیا جو وہ چاہتا
تھا۔ پبلک کی آنکھوں میں آپ کو گرانے والا یہی شخص ہے جیسا کہ آپ
اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اس شخص نے پبلک کی کوئی سیوا نہیں کی۔ وہ تو
دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے کام میں یکتا ہے۔ اس نے
ریاست کو تباہ کر دیا ہے جیسا کہ آپ جلد ہی محسوس کرنے لگیں گے۔ اس
نے آپ کا سر دنیا کی نظروں میں نیچا کر دیا ہے۔ کبھی وہ مسلمانوں کو ہندو
حکومت کے خلاف بھڑکاتا ہے اور کبھی ایک فرقہ کو دوسرے فرقے کے خلاف
لا کھڑا کرتا ہے۔ اب وہ ڈوگرہ اور پنجابی کے سوال پر اپنی ڈفلی بجا رہا ہے
اور راجپوتوں کو اکسا رہا ہے کہ وہ ریاست میں بسنے والے باقی فرقوں کے
خلاف آواز اٹھائیں۔ ان سب باتوں کا مطلب ہے ریاست اور ریاست
کے لوگوں کی تباہی۔ کوئی شخص آپ کو سچ کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اور
یہی آپ اپنے خیر اندیشوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی آپ سے مل کر
آپ کے متعلق جو ریاست میں ہو رہا ہے۔ روشن کریں۔ لوگ حیران ہیں
کہ آخر آپ نے اپنے دیشی و پولیٹیکل منسٹر کو کیا بنا رکھا ہے۔ ریاست اور
رعایا کی بہتری اسی میں ہے کہ اس شخص کی خدمات سے جلد چھٹکارا پایا جائے
اتنی سمجھ بوجھ کے انسان سے جیسا کہ یور ہائینس ہیں۔ اُمید کی جا سکتی
تھی کہ اس چال کو بہت عرصہ پہلے سمجھ گئے ہوتے۔ مہربانی فرما کر اپنے
آپ کو اور اپنی ریاست کو ایسے شخص کے چنگل سے آزاد کرائیں جس
شخص نے ریاست کے نام کو دھبہ لگایا ہے۔ اور آپ کی عزت اور
لوگوں کی عزت کو برباد کیا ہے۔ مختصر حالات کے لئے [illegible]

جو میں ساتھ بھیج رہا ہوں، غور سے پڑھیں۔

یُوور ہائینس نے سپنرز ایسوسی ایشن کو ۵۰ ہزار روپیہ ایڈوانس دینے کا وعدہ کیا۔ دفتروں میں ریاست کی بنی ہوئی چیزوں کو ضروری طور پر استعمال کرنے کا حکم دیا۔ سلک ویونگ انڈسٹریوں کو ریاست کی طرف سے امداد دیا تاکہ لوگوں کی غربت کچھ حد تک دُور ہو۔ یہ سب بڑی اچھی باتیں ہیں۔ اور آپ کی اور آپ کے ڈیویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ کی لوگ تعریف کرتے ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو عملی شکل دینے کے لئے بہت بڑا حوصلہ چاہئے۔ کھدر بھنڈار کو وعدے کے مطابق ۵۰ ہزار روپیہ کا قرضہ نہ دینا۔ اور اس طرح سے ہزاروں گھریلو دستکاری کے کارندوں کو بے کار رکھنا اور ان سے روزی چھیننا پرلے درجے کی فضول بات ہے اس سے گورنمنٹ پر لوگوں کا اعتماد جاتا رہا ہے۔ اور آپکے اس کام کو لوگ منہ کھولے تعجب سے دیکھ رہے ہیں۔ دُنیا آپ پر ہنس رہی ہے۔ اس کی وجہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس اوپر لکھے منسٹر کی وجہ سے، جس سے آپ بہت ڈرتے ہیں۔ یوور ہائینس نے اس کو اب عام سے بھی زیادہ طاقتیں بخش دی ہیں۔ اب وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ جو وہ چاہے اور جس قسم کی فضا وہ چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اپنے ملک کے مفاد کے خلاف کیسے جا سکتا ہے۔ یہ بھید آپ پر جلدی ہی کھل جائے گا جب آپ آہستہ آہستہ اس آدمی کے کئے کاموں کی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔ جن باتوں سے اس کے اپنے دیش واسیوں کو نقصان پہنچتا ہے وہ کبھی نہیں کریگا۔ اس لئے وہ ریاست کی گھریلو انڈسٹری کی مدد کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی ریاست اور اس کے

لوگوں کے لئے پیار کا سبق سیکھنا چاہئے۔ لیکن نہیں، اُس نے آپ سے ویسی باتیں کرائی ہیں۔ جو کہ پاپ ہیں۔ اور جن سے ریاست کے باشندوں کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

کیا "رہبر" اخبار کو جو آپ کی ریاست کا پہلا اور صرف ایک ہی اخبار ہے۔ بند کرنا انصاف اور عقلمندی کا کام ہے؟ جبکہ اس کا ایڈیٹر آپ کی پکی اور سچی وفاداری کرتا ہے۔ جس کے لئے اکثر لوگ اُس پر ہنستے ہیں۔ جو سزا اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دی گئی ہے۔ وہ نہایت ہی سنگدلانہ ہے۔ ایک حکمران کے لئے اس قسم کا حکم صادر کرنا جو سچائی سے دور اور غلط بیانیوں کی بنا پر ہو۔ جو رہبر اخبار کو بند کرنے کے لئے بنائی گئی ہوں۔ اچھا نہ تھا۔ لالہ ملک راج صراف بی۔ اے ایڈیٹر جس نے اس اخبار کے ذریعے آپ کی خدمت کرنے کے لئے گورنمنٹ ملازمت کو ترک کیا اور پنڈت گنگا ناتھ ملہ بی۔ اے جائینٹ ایڈیٹر اور دیگر کئی اور پڑھے لکھے اور ان پڑھ ورکروں کو قلم کی ایک ہی جنبش سے بے روزگار کر دینا انصاف نہیں ہے۔ وہ دراصل مالی طور پر تباہ ہو چکے ہیں۔ ان کے خلاف اتنا سخت قدم اُٹھانے سے پہلے اُن کو اپنی پوزیشن صاف کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس اخبار کے بند کرنے سے ایک عظیم گناہ ہوا ہے۔ اُس نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے کہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پولیٹیکل منسٹر نے اور چیف سیکرٹری نے اسے افسوس ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے۔ اگر وہ دوبارہ اخبار چلانا چاہتا ہے۔ اس نے یہ بھی کیا۔ لیکن پھر بھی اُسے صاف انکار کر دیا گیا۔

کیا یہ طریقہ ہے ملک منسٹری چلانے کا۔ آخر کوئی بھی چیز پاپ بغیر

نہیں ہوتی تھی۔ ان سب واقعات کا پتا ریکارڈ دے گا۔ جب ہماری آئندہ نسلیں اسے پڑھیں گی۔ تو کیا سوچیں گی۔ جو برتاؤ ایڈیٹر کے ساتھ کیا گیا اس کی ضرورت نہ تھی اور ریاست کی تاریخ میں مثال ملتی ہے اب بھی آپ اگر ایڈیٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر اور دوسروں کو اگر مناسب سمجھیں تو اخبار جاری کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ اور اس طرح سے آپ اچھا اثر پیدا کر سکتے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ آپ کو اس رنبیر اخبار کے بند کرنے کی پالیسی سے پریس میں جو ہلچل ہوئی ہے اس سے باخبر رکھا جاتا ہے۔ ایڈیٹر نے کوئی غلط چیز نہیں لکھی۔ ہر چیز جو اخبار میں لکھی گئی ہے۔ وہ سچائی پر مبنی ہے۔ آپ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بھی جب وہ لالہ جنگ راج وکیل کے مقدمہ میں اپنی شہادت دے رہا تھا۔ اس بات کی تصدیق کی ہے کہ "جہاں تک دھوکی بات" کے ساتھ مہاراجہ بہادر کی بے عزتی ہوئی سمجھا رہا ہے۔ حکم میں یہ کہا گیا ہے کہ ایڈیٹر نے قانون شکنی کی ہے جس کا میں سمجھتا ہوں کہ کوئی وجود ہی نہیں۔ لیکن کون سنتا ہے جب کہ انتقام کے جذبہ کا بول بالا ہو۔ اس طرح سے ایک طاقتور شہزادے نے ایک معصوم شخص کا قتل کر دیا۔

پھر سوال آتا ہے ڈوگرہ سبھا کا جس نے رنبیر اخبار کی طرح پوری تن من کی اتنی وفاداری اور لگن سے خدمت کی۔ اس کو کیا انعام ملا ہے۔ ایک بہانہ بنایا گیا اور اس پر الزام لگایا کہ یہ سبھا انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ڈوگرہ سبھا کے سیکرٹری نے بغیر کسی کے علم کے ایگزیکٹو باڈی کے مشورہ کے بغیر کانگرس (جب کہ ابھی وہ غیر قانونی جماعت تصور نہیں کی گئی تھی) کو وہ سبھا کے کچھ ممبروں کو اجازت

دے دی حیثیت جموں و کشمیر کانگرس کے کہ وہ ڈیلیگیٹ کے ٹکٹ بھیج کر سیشن دیکھنے کی اجازت دیں۔ لیکن جب سیشن کمیٹی نے جواب دیا کہ جب تک کوئی باڈی کانگرس کے ساتھ نہ ہو۔ اس کے ممبروں کو ڈیلیگیٹ ٹکٹ نہیں دئے جا سکتے ہیں۔ اور سارا معاملہ وہاں ہی ختم ہو گیا۔ بے شک میں خود بھی اس کے متعلق کچھ نہ جانتا تھا۔ جب تک کہ حکم صادر نہ ہوا۔ لیکن کون سنتا ہے سچائی کو جب کہ ہر چیز پہلے سے ہی طے شدہ ہو۔ لوگوں کو اوپر اٹھانے کے لئے رنبیر کی طرح یہ سبھا بھی بڑا مفید کام کر رہی تھی۔ اپنے حکمران اور دیش کی سیوا کرنے کی وجہ سے اور ریاست میں اصلی ڈھنگ کی وجہ سے قربان کر دیا گیا۔

حیران ہوں کہ ریاست کی راج بھگتی کہاں گئی؟ ڈوگرہ سبھا پھر سے دیکھا نہ گئی۔ اس کا نام بھول دیا جائے گا۔ اور یہ اپنا کام کرتی رہیگی اس کے متعلق ایک خط شائع کر چکا ہوں۔ اور آپ کو گوش گزار کرنے کیلئے اس کی کاپی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اتنا کچھ کہنے کے بعد اور لوگوں کی مصیبتوں میں زیادہ باریکی میں نہ جاتے ہوئے جن کا مفصل حال ان دستاویزات میں دیا گیا ہے۔ جو ساتھ بھیج رہا ہوں۔ میں صاف صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ باوجود یکہ آپ کے پکے وفادار ہونے کے دوسرے لوگ جن کا اپنا مفاد ہے آپ کے دل میں میرے متعلق غلط فہمیاں پھیلا نہ دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ

(۱) ایک کمیٹی جس کو رعایا کے خادم کے نام سے پکارا جائے۔ ریاست میں قائم کی جائے۔ جس کا کام غریبوں اور ضرورتمندوں کی سیوا کرنا۔ ان کی مادی چیزوں سے حالت کو درست کرنا۔ ان کی سماجی اور

سیاسی حالات کو سنوارنا، ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا۔ ہر قسم کے ظلم اور بے انصافی کو ریاست کی حدود سے باہر نکالنا ہوگا۔ یہ سب باتیں میں نے اپنے صدارتی ایڈریس میں جو گرو سبھا کے پہلے سالانہ اجلاس میں پوری طرح واضح کی ہیں۔ اور اس کی کاپیاں تقسیم کی ہیں۔

۲۔ ریاست میں غریبوں کے لئے گھر کھولے جائیں۔ اور ایک پور فنڈ چلایا جائے جس میں گورنمنٹ اور پبلک دونوں چندہ دیں۔

۳۔ رنبیر اخبار کو پھر سے چلایا جائے۔ اس کے بغیر آپ کی حکومت لوگوں کا اعتبار حاصل نہیں کر سکتی۔ نہ ہی اس کے بغیر رعایا کے دکھ کی فریاد آپ تک پہنچ سکتی ہے تاکہ آپ اس کا حل نکال سکیں۔ اس سے ایڈیٹر، جائنٹ ایڈیٹر اور باقی کارندوں جو ریاست کے پشتینی باشندے ہیں کے نقصانات کی تلافی ہو جائیگی۔ اگر آپ اس وقت رنبیر اخبار کے بند کرنے سے ریاست اور ریاست کے باہر جو برا اثر ہوا ہے۔ اس کا نصف حصہ بھی ختم کرنا چاہیں تو آپ اسے دوبارہ چلانے کی اجازت دینے میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہ کریں گے۔

۴۔ جس رقم کا بطور قرضہ سپنرز ایسوسی ایشن کو دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ رقم فوراً ادا کر دی جائے۔ اپنے لفظوں پر قائم نہ رہنے سے جو گناہ ہوا ہے اس کو جلد از جلد مٹانا چاہئے۔ اور اپنا وعدہ پورا کیا جانا چاہئے لوگوں نے اسے بہت محسوس کیا ہے۔ اور اس سے گورنمنٹ کی بہت بدنامی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے آپ کو یاد ہوگا جو۔

"جگوں کل ریت ہمیشہ چلی آئی پران جائیں پر بچن نہ جائی"

۵۔ لوگوں کی مصیبتوں کا انسداد کیا جائے۔ اور جو نقصانات انکو

ہوئے ہیں۔ (جن کا ذکر سابقہ کی دستاویز میں ہے) اُن کی تلافی کی جائے۔

(۶) جو کچھ میں نے اپنے صدارتی ایڈریس میں کہا ہے۔ اس پر حکومت جلدی سے دھیان دے۔ حکومت ایجیٹیشن کا اس کا ثبوت سدھار کی طرف قدم اُٹھا کر دے۔

(۷) پولیس اور پبلک قدم کے راستے میں لگائی گئی پابندیاں جلسوں اور جلوسوں کی پابندی فوراً ہٹائی جائے۔ اور لوگوں کو سہولتیں دی جائیں تاکہ وہ سماجی برائیوں اور ان کے سدھار کے متعلق کھلا پرچار کر سکیں۔

(۸) امداد غربا یعنی غریبوں کی مدد کی کمیٹی اپنا کام جلد از جلد شروع کر دے۔ جیسا کہ میں اپنے صدارتی ایڈریس میں مفصل بتا چکا ہوں۔ کمیٹی کے ممبر دیگر صاحبان کے علاوہ گورنمنٹ کے پنشنر بھی ہوں۔ لیکن چونکہ وہ گروہ سبھا بند کر دی گئی ہے۔ کوئی کام نہیں ہو سکا۔ میرا خاص پروگرام جس کی تشریح میں نے اپنے صدارتی ایڈریس میں کی ہے۔ غریبوں کی مدد کے کام کو فروغ دینا اور اس سے اپنی وفاداری کا اصل ثبوت دینا ہے۔ میں آپکو ایڈریس کی ایک کاپی بھی بھیج رہا ہوں۔ کرپا کر کے اصلی ایڈریس کو بھی اور دستاویز کو بھی پڑھیں تاکہ یور ہائینس کو معلوم ہوگا کہ میرا پروگرام کیا ہے۔ اس میں شک و شبہ میرے متعلق آپ کے من میں ہٹا دینا چاہئے۔ میں وہی آدمی ہوں جو کچھ سال پہلے تھا۔ میں آپ سے پیار کرتا ہوں اور آپ سے بہت اُمید رکھتا ہوں ریاست کی بہتری اسی میں ہے کہ غریبوں اور ضرورتمندوں کی مدد کی جائے میں نہیں چاہتا کہ آپ سے کوئی بات چھپائی جائے۔ اور آپ کے سابقہ کو آپریشن نہ کرتے ہوئے آپ کے اور آپ کی حکومت کے متعلق ہر بات پہنچا دی جائے۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ اس چٹھی کے پہنچنے کی اطلاع دینے پر مشکور فرمائیں گے
تاکہ ہمیں یہ سب باتیں ایک کتاب کی شکل میں چھپوانے کی ضرورت نہ پڑے۔ میں
دو ماہ تک انتظار کروں گا۔ اگر اس عرصہ میں آپ کی طرف سے کوئی جواب ملا
یا مجھے اس میں مشتہر کرنے کی کوئی اُمید نظر آئی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا
گیا ہے۔ میرے پاس سوائے ان چیزوں کے جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں کی
اشاعت کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جائے گا۔ میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا
دیا ہے۔ اور میں لوگوں اور دیش کی سیوا کے لئے نکلا ہوں۔ جیسا پہلے بھی لوگوں
کو ایک کتاب کی شکل میں (جس کی کاپی شامل کر رہا ہوں) بتا چکا ہوں کہ میں
کیا چاہتا ہوں۔ اور کہ لوگوں کا دھرم اُن سے کیا اُمید رکھتا ہے۔ اور میں
کیا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کریں۔ اس وقت میں صرف یور ہائینس کو مخاطب
کرکے عرض کر رہا ہوں۔ صرف اس لئے کہ میں اپنے دل ہی دل میں محسوس
کرتا ہوں کہ میں آپ کا وفادار ہوں اور میں آپ سے پیار کرتا ہوں۔ لیکن میں
حکومت کی بے انصافی اور غلط لسانی پالیسی کا جس کا مجسمہ مسٹر ویکفیلڈ
ہے وفادار نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ہم اپنا حکمران مانتے ہیں لیکن ویکفیلڈ
کو ہم مہاراجہ ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ہم ریاست کے کاموں
میں اس کی مداخلت کو پسند کرتے ہیں۔ میرا پکا ارادہ ہے۔ اور میری ایماندارانہ
رائے ہے کہ اس نے ریاست اور لوگوں کے مفاد کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا
ہے۔ اس کے ریاست میں اور زیادہ عرصہ رہنے سے ریاست میں تباہی آ جائیگی
اور آپ کی بہت زیادہ بے عزتی ہوگی۔ جس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔

آخر میں پھر خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ بخیریت اپنے دیش میں واپس
آئیں۔ آپ کے خیالات ان نئے خیالات سے لائے ہوئے جو آپ کے

دل میں مغربی دیشوں کے لوگوں کی ترقی کو دیکھ کر آئے ہوں گے۔ یہ وقت بیشک
بہت ہی نازک ہے۔ تبدیلیاں بہت جلد ہو رہی ہیں۔ آج وقت پہلے کی طرح کا
نہیں۔ نہ ہی مستقبل ایسا ہوگا۔ جو اب ہے۔ رعایا آپ سے اُمید رکھتی ہے کہ
مغربی دیشوں سے واپس آنے کے بعد آپ رعایا کی بہتری کے کام کریں گے لہٰذا
ان میں سدھار کریں گے۔ آپ اُن لالچی اور ناسمجھ راجاؤں سے سبق حاصل کریں جو تاج
کھو بیٹھے۔ جو رعایا کے حقوق کو ادا کر سکتے ہیں۔ حکمران کے طور پر آپ کو اپنے
ذاتی مفاد سے اوپر اُٹھنا چاہئے۔ اور صرف اپنے آرام و عیش و عشرت کا
ہی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ آپ پر پرماتما نے اعتبار کیا ہے۔ انصاف اور رحم
آپ کا ماٹو اور ہمدردی اور سچائی آپ کا نشان ہونا چاہئے۔ اپنی رعایا کے طور
بحیثیت حکمران آپ کی بڑی ذمہ داری ہے۔ آپ کی طرف سے ایسی کوئی
بات نہ ہونی چاہئے۔ جس سے آپ کی عزت میں لوگوں کی طرف سے کوئی
فرق آئے۔ ہمارے بعد ہمارے نام اور کام کے سوائے اور کچھ نہیں باقی رہیگا
میرا خیال ہے کہ یور ہائینس محسوس کریں گے کہ تہذیب کے مطابق اس خط
کا جو کہ ایک بڑی ریاست کے ایڈمنسٹریشن کے متعلق ہے جواب دیں گے
میں اپنے سوالوں کا صاف صاف لفظوں میں جواب چاہتا ہوں۔ اگر میں غلطی
پر ہوں۔ مجھے یقین کروایا جائے۔ میں ان کو مفصل طور پر اگر یور ہائینس
اجازت دیں۔ بحث کرنے کو تیار ہوں۔ جو کچھ لوگ در حقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ کے
اور آپ کی حکومت کے متعلق اس کی طرف آپ کو دھیان دینا چاہئے۔ تا حکومت
سکون سے چل سکے۔ اگر ایجنٹ جو سوائے ویکفیلڈ کے اور کچھ بھی نہیں ہے
نے اگر کوئی ایسا نامناسب قدم اُٹھایا یا حالات اور بھی زیادہ خراب
ہو گئے تو یور ہائینس کے واپس آنے تک کچھ بھی نہیں کیا جائے گا۔ کچی

غیرحاضری میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا۔ جس سے آپ کو کسی قسم کی تشویش ہو۔ جب کہ آپ پردیس میں ہیں۔ لیکن میں اس خط کا جواب ملنے کی ضرور اُمید رکھتا ہوں۔ اگر صاف لفظوں میں مجھے جواب مل گیا۔ اور میرے غریبوں کی امداد کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی گئی تو سب اچھا ہے ورنہ جو کچھ میں کرنا چاہوں گا اس کے لئے آزاد ہوں گا۔ مجھے غریبوں کی مدد کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ یور ہائینس کو [illegible] چاہیئے کہ [illegible] کریں اور مجھے اس انسانی ہمدردی کے کام میں سہولتیں دیں۔ یہی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور اس کام کے کرنے کی چاہ اپنا تمام ہم سے اُمید رکھتا ہے۔

تاریخ:- ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء — آپ کا صادق

خدمت میں۔ — [illegible] جودھ سنگھ

ہز ہائینس [illegible] — پوسٹ آفس کنڈولی

جی۔ سی۔ ایس۔ آئی اینڈ جی۔ سی۔ وی۔ او — (جموں و ریاست)

مہاراجہ جموں اینڈ کشمیر ریاست — ہندوستان

معرفت انڈیا آفس لندن (انگلینڈ)

(ماخوذ از پریم کھلاڑی)

قومی زندگی کا نیا پروگرام

یہ امر مسلّمہ ہے کہ کسی قوم و ملک کو اس وقت تک آزادی نصیب نہیں ہو سکتی جب تک خالص انسانی رشتہ جس کے لئے مکمل اتحاد، اعتقاد و محبت کی ضرورت ہے، قائم نہ کیا جائے اور ایک متحدہ قومیت کی بنیاد خالص نیشنل بنیادوں کے قیام کی صورت میں نہ ڈالی جائے۔ بغیر حقیقی و مقبول عام و واحد نمائندہ قومی جماعت کے عوام کے مشترکہ مفاد و مطالبات و حقوق کا حاصل ہونا قطعاً مشکل ہے۔ جب ۹۰ فیصدی مطالبات اور حقوق انسانی جو اقتصادی، شہری، پولیٹیکل جمہوری اور معاشرتی ایک جیسے ہیں۔ اور ان سے محروم شدہ تمام غریب بے کس طرح طرح کے دکھ و عذاب جھیل کر موت کے دن پورے کر رہے ہیں۔ تو ان کے حصول کی کوئی مشترکہ کوشش نہ کی جائے۔

کیا فرداً فرداً اور پھر فرقہ وارانہ جماعتوں کی طرف سے جداگانہ جدوجہد شہری، جمہوری و شخصی حقوق و آزادی کے لئے مذہبی و فروعی باتوں کی آڑ میں کسی طرح کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ قطعاً مشکل ہے اور اگر کہیں جزوی کامیابی جتھہ بند و منظم طریقے پر کسی قدر نصیب بھی ہو جو محض خود غرض طاقت کی مصلحتی حمایت سے وقتی طور پر جتنی ممکن ہے تو کیا وہ دائمی اطمینان قلب کا باعث ہو سکتی ہے اور کیا اس سے موجودہ دکھ تکلیف کا خاتمہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ فرقہ وارانہ کشمکش سے کسی حقوق

کی تقسیم و تناسب کا جھگڑا ایک طرف، اور پھر بعض چند ایک کو ٹکڑے مل جانے
سے یہ نہیں ہو سکتا جبکہ اُسے بیت فیصلہ کرنے کا بلانے مخالف طاقت کا سہارا
لیا جائے۔ اور اگر بقایا ہر کسی فرقہ کو کچھ غلامی کے پھندے میں داخل کرنے
اور عوام پر ایک ناپسندیدہ حاکم سرکاری ملازم کی صورت میں نازل کرنے
میں بھی جائے تو دوسرے ہمسایہ بھائیوں کے ساتھ مخالفت و دشمنی اور نفرت
کا بیج بویا جائیگا۔ اور اس صورت میں مجموعی طور پر جملہ غریب رعایا کے
مفاد و حقوق جو کہ مشترکہ آواز اور متحدہ طاقت سے حاصل کئے جا سکتے
ہیں کا خاطر خواہ ملنا قریباً ناممکن ہو جائے گا۔ اور اس طرح دو یا تین فیصد
مفاد یکطرفہ کے مقابلہ میں ۹۰ فیصدی مطالبات و حقوق کے حصول کی
جدوجہد کو قطعاً کمزور کر دیتا ہے۔ اور یہی وہ حالت ہے جس کی پشت پناہ
وہ طاقت ہے جو اس کے عملی اتحاد کے نتائج سے خوف زدہ ہے۔

انسانی رشتہ عظیم ہے اور عالمگیر مذہب کے اصول یعنی راستی
انصاف، نیکی، پاکیزگی، محبت، خوش خلقی کے پاک فرائض کی ادائیگی
(جس میں قربانی مجسم و سراپا محبت بننا پڑتا ہے) ایک سے ہیں۔ تو صحیح
معنوں میں صادق اور حقیقی بہی خواہان ملک و قوم کا اولین فرض ہے
کہ وہ غریبوں کو دُکھ و عذاب سے بچانے اور انہیں بحیثیت انسان کے
آرام سے زندہ رہنے کے سامان مہیا کرنے کے لئے ہمہ تن کوشش کریں۔ بہتر
دل و دماغ رکھنے والے اور پھر قومی خادم کہلانے والے اشخاص بھی جن کا
اثر و رسوخ نسبتاً عوام کے دلوں پر خاصہ ہے۔ ابھی حقیقی نیشنل
باڈی کے قیام اور احیاء میں ہمہ تن مصروف ہونے میں لیت و لعل کر رہے
ہیں۔ اور وہ اپنے خیال میں ایک خاص وجہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب تک

ہم میں قومی جماعت ہر طرح منظم اور خاص پروگرام پر عمل کرنے والی
موجود نہ ہو۔ فرقہ وارانہ جماعت کی حمایت، امداد کو کھو دینا اپنے آپ کو کمزور
کر دینا ہے۔ گو بظاہر ہر شخص مفاد و شہرت یا لیڈری کی خواہش کے
زیر اثر ایسے اصحاب اپنے آپ کو حق بجانب کہہ سکتے ہیں۔ مگر دراصل
وہ خود واقعی قربانی و ایثار سے گریز کر رہے ہیں۔ اور اپنے ذاتی مفاد یا
شہرت کو مقدم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قومی خدمت و حصول آزادی کے لئے جہاں
تنگ خیالی، تعصب و فرقہ وارانہ منافرت، بد اعتقادی اور یکطرفہ کارروائی
[illegible] ذاتی [illegible]
[illegible] ذاتی و شخصی [illegible] خود [illegible]
شہرت کی خواہش کو قطعاً خیرباد کہہ دینے کی شرط اول ہے۔ اور اس پر
عمل پیرا ہو کر قومی خدمت کرنا حقیقی زندگی حاصل کرنا ہے۔ صرف فرقہ وارانہ
ذہنیت کو وسیع الخیالی، رواداری، ہمدردی و محبت اور مشترکہ و متحدہ
جدوجہد حصول آزادی کے پاک فرض کی ادائیگی کیطرف تبدیل کرنا ہے
اس صورت میں صادق حق پرست دُور اندیش ساتھیوں کی مدد و نصرت
شامل حال رہی ہے۔

جب تک قربانی مجسم، نیک و پاک، ہمدرد بندے اپنے آپ
کو ہمہ تن خدمت خلق کے پاک فرض کی ادائیگی میں مصروف نہ کریں گے
اور میدان میں نہ آئیں گے تب تک عوام کا ان کے پیچھے آنا یا ان کی
تقلید کرنا مشکل ہے۔

صحیح و سچی خدمت و حقیقی عبادت، نیکی، پاکیزگی اور اعلیٰ فرائض
انسانی ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ایک صادق قوت رحم کرنے والا انسان

دوسرے غریب، نادار، مظلوم، دُکھی عذاب میں پھنسے لوگوں کے کام آئے
جن میں وہ اپنا ایمان اور دھرم سمجھتا ہے۔ اور اسے ہی منتہائے
مقصد زندگی خیال کرتا ہے تو اس کے لئے پھر چین سے بیٹھنا اور محض
اپنے جسم وجان کی حفاظت، پرورش وتن پروری کے لئے چپ چاپ
غیر وسوادانہ طریقے پر زندگی بسر کرنا قطعاً مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ
روز روشن میں ہمسائے اور اردگرد سے آہ وفغاں و درد وعجیب کے
نالوں کی آواز چیخ وپکار ہر انسان کے دل میں (جس میں ذرا سا درد ہے
رحم کا مادہ ہے) ایک ناقابل برداشت صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر
اس کے لئے کوئی چارہ نہیں رہتا ہے کہ یا تو وہ اس درد [illegible]
دردناک حالات دیکھ سُن کر گھٹ گھٹ کر مرنے سے ایسے غم وعذاب کے
دور کرنے کی جد وجہد میں اپنے آپ کو ختم کر دے۔

در اصل یہ مختلف فرقوں اور مذہبوں کی لڑائی نہیں ہے بلکہ
دو جماعتوں کا مقابلہ ہے۔ ایک طرف سرکاری ملازمان عہدہ داران و
اقبال مند اشخاص، امیروں، وزیروں، دولت مندوں، سرمایہ داروں
بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں، تعلقداروں، چکلہ داروں
کی جماعت ہے۔ جسے صرف اپنے جسم وجان عیش وآرام سے واسطہ
ہے اور بس۔ ان کی بلا سے کوئی غریب نادار دُکھی درد سے کراہتا ہے
یا مرتا ہے۔

دوسری طرف مظلوم، غریب، دُکھی، مفلس، نادار، بیکار
مجبوروں کی جنتا، رعایا کی جماعت ہے۔ اس میں نادار مزدور، بے کس بھی
شامل ہیں۔ جو سب کے لئے آرام پیدا کرتے ہیں۔ اور سخت محنت، اور

خون پسینہ ایک کر کے جان جوکھوں میں ڈال کر سامان زندگی پیدا کرتے
ہیں۔ مگر خود بھوکے اور ننگے رہ کر دُکھ پا رہے ہیں۔ انہیں دُکھ اور عذاب سے
بچانا ہر ایک انسان (جس کے دل میں ترس، رحم ہے۔ اور جو صاحب توفیق
ہیں۔ اہل اثر منصف مزاج حق پرست ہیں) کا کام ہے۔ یہ جماعت بیچاری
(پراگندہ روزی پراگندہ دل) خود بخود اپنی دُکھی حالت کو درست نہیں
کر سکتی۔ جب تک قربانی جسم، پاکیزہ دل، درد مند قومی پروانے اس
کے دُکھ اور عذاب کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو قربان نہیں کرتے تب
تک کوئی صورت ان کے بچاؤ کی نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش سے بزرگ
ہستیوں ومہاپرشوں نے خدمت خلق کا پیغام دیا ہے اور اس میں ہر طرح
محبت وقربانی کا ثبوت دینے کو ہی سچا دھرم ایمان بتایا ہے ؎

"یہی ہے عبادت یہی دین وایماں — کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں"

پس ان دو جماعتوں میں عوام تقسیم ہیں۔ امیروں، رئیسوں، سرمایہ داروں
کی جماعت دولت اور مادی طاقت کے زور پر قطعاً لاپروا اور مغرور
بیٹھی ہے۔ اس کے پاس ایسے فوری ذرائع وسامان موجود ہیں۔ اول تو
جسے چاہے ہم میں سے خرید سکتی ہے۔ بصورت انکار یا مقابلہ کے جماعت
کی خدمت وقربانی کا دم بھرنے کے ختم کرنے کا سامان پیدا کر سکتی ہے
اور خدمت خلق کے نیک وپاک فرض کے کام سے انحراف کرا سکتی ہے کیونکہ
غریب دنیا کی بھلائی تو تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب دولت مند سرمایہ دار
دل وسیع کریں۔ ان میں قوت رحم پیدا ہو۔ اور وہ خزانے کے تھیلوں
کے منہ کھول دیں۔ اور ایسا کرنے میں اس جماعت کو کچھ دینا پڑتا ہے۔ کچھ
قربانی کرنی پڑتی ہے۔ جس کے نام سے وہ نا آشنا ہیں۔ کیونکہ اگر ذرا مادہ یا

مبارک خیال اور نیک ارادہ ان میں ہوتا تو یہ دولت و سرمایہ جمع ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ تو پہلے ہی دوسروں کو ہر حیلہ و بہانہ سے لوٹ کھسوٹ کر جمع کیا گیا ہے۔ اس لئے چونکہ انہیں موجودہ دولت و عیش پسندی سب سے مقدم ہے۔ لاکھوں غریبوں دکھیوں کے لئے انکی قوت رحم سے اپیل کرنا بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ جب تک ان کی معاون و حمایتی طاقتوں پر دسترس نصیب نہیں ہوتی۔ غریب طبقہ اور اس کے حمایتی خوب جانتے ہیں کہ وہ ان کے ہیں۔ گو مادی ذرائع و سامان برائے نام بھی نہیں ہیں۔ مگر صرف ایک چیز ہے اور وہ آخری علاج ہے کہ وہ منظم و متحد ہو کر بلند ہو کر ایک آواز پیدا کریں۔ اور اپنے آپ کو فرقہ وارانہ تنگ و تاریک غاروں سے نکالکر باہر کھلے میدان میں جو حقیقی و قدرتی رشتہ انسانی یکجہتی اور محبت و ہمدردی کا باعث ہے کھڑے ہو جائیں اور حقیقی خدائی مذہب کے عالمگیر اصولوں (یعنی محبت) کے پجاری بنیں اور آپس میں جسم و جان کا تعلق پیدا کریں اور حصول آزادی کیلئے (جو ہر انسان کا پیدائشی حق ہے) کیلئے سر توڑ کوشش کریں اور خدائی برکات نعمتوں اور سامان زندگی سے بحیثیت مساوی اور خودداری با عزت آزاد انسان کی طرح فائدہ اٹھانے کے لئے جدوجہد کریں۔

بلاشبہ یہ راستہ خاردار اور پُر از خطر ہے۔ اس میں ذاتی سکھ آرام منتقل ہے۔ ذاتی مفاد کو قربان کرنا ہے۔ علاوہ ازیں فریقین مخالف کی طرف سے ہر قسم کے عذاب، دُکھ و بُرے وحشیانہ سلوک کے لئے تیار رہنا ہے۔

جب تک خود درد مجسم بن کر ہر قربانی کے لئے تیار نہ ہونگے

اپنے وہ لاکھوں غریب دُکھی لوگوں کو عذاب و مصیبت سے نہیں چھڑا سکیں گے۔ اس کے لئے تن من دھن سب نچھاور کرنا پڑیگا۔ اور پھر وہ کون سا دُکھ عذاب و ناروا سلوک ہے یا نقصان جان و مال ہے جو اس راہ میں برداشت نہ کرنا پڑے۔ مگر ان سب مصائب و آلام کے مقابلے میں جب لاکھوں بے کس دُکھی لوگوں کو آزادی کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ اور ان کو بحیثیت آزاد و خوشحال زندگی بسر کرتے دیکھیں گے تو اس سے بڑھکر اور خوشی و اطمینان کا کون سا موقعہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے بڑھکر دھرم و ایمان، عبادت و نیکی و خدمت اور کیا ہو سکتی ہے

در اصل غلام، بیمار، فرزند، محتاج و مفلس کی بھی کوئی زندگی ہے۔ اس سے موت بدرجہا اچھی ہے۔ ایسے پریشان حال قابل امداد بیمار، اور دُکھی لوگوں کا کیا مذہب اور دھرم ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ بھوکے ننگے بے چین دُکھی لوگوں کو تعلیم دیتے، نماز پوجا پاٹھ کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ بھلا جس کا پیٹ بھوکا ہے اور برہنہ تن سردی سے ٹھٹھر رہا ہے وہ نماز اور پوجا پاٹھ کیسے کر سکتا ہے اور ایسی حالت میں ان کو آخرت روحانی ہستیوں اور خدائی باتوں سے واقف کرانے کی کوشش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ سب سلسلے از بلند پروازی (خیالی) بے فکری اور آزاد انسانوں کا مشغلہ ہے۔

انسانی زندگی کی ضروریات لازمی طور پر پہلے پوری کی جانی چاہئیں پھر روحانی و خیالی دنیا کا اور روحانیت کا مسئلہ حل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے عابدوں و بھگتوں نے بھی تنگ آکر خدا کو سُنا دیا ہے کہ "بھوکے بھگتی نہ کیجئے" "یہ مالا اپنی لیجئے"۔ ہم سے بھوکے رہ کر

عبادت الٰہی نہیں ہو سکتا۔ یہ تسبیح و مالا اپنی سنبھال لیں تو لوگ اور ان کے مذہب کا رہنما جو عبادت کا ہر سبب حرف رسمی کار روائی کرنے اور مختلف ذرائع سے دولت و سامانِ عشرت جمع کرنے اور پھر خود ہضم کرنے کے ساتھ اپنے معتقدین کے لئے نجات و واصل خدا ہونے کے خواب دکھاتے ہیں۔ وہ دراصل سخت غلطی پر ہیں۔ حقیقی نجات آزادی تحفظ خدمت خلق میں نصیب ہوگی۔ جس میں تیاگ و قربانی اولین شرائط ہیں۔

یاد رہے کہ جو لوگ موجودہ مشکلات و پیچیدہ صورت حالات کے حل کرنے کا واحد ذریعہ مشترکہ محاذ: فرنٹ قائم کرنے کے لئے "نو جماعت بنانے کے لئے اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے ہیں۔ انہیں کو سب سے اول ہر قربانی کے لئے تیار ہو جانا چاہئیے۔ اور جب تک وہ ابھی سے نہایت عزیز و نادار دکھی کی سی زندگی کی ہر مشکل و حقیقت کا احساس عملاً نہیں کریں گے۔ اور اُن کے اندر رہ کر ان کا دُکھ درد نہ بانٹیں گے تب تک وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ وہ بیشتر عوام خدمت کا "م" کر سکیں۔

(بہ شکریہ رہبر ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء)

مسلم کانفرنس کی حمایت

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو جب نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کا پروگرام بنا اور اسکی ورکنگ کمیٹی کا جو اجلاس سرینگر میں منعقد ہوا اسکی حمایت جہاں کئی دوسرے ہندو لیڈروں نے کی۔ وہاں سردار بدھ سنگھ نے بھی اس کی پُر زور تائید کرتے ہوئے اپنے ان خیالات کا اظہار فرمایا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اس مبارک اور زندگی بخش فیصلہ میں خدا کا فضل و برکت شامل ہے۔ جس کی وجہ سے محترم صدر کانفرنس جناب شیخ محمد عبداللہ جیسے مخلص اور ایثار نفس محب وطن اور اپنے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے محبانہ و قوم پرستانہ خیالات جن کا اظہار وہ اپنے خطبہ صدارت میں کر چکے ہیں۔ یہ پھول چڑھانے اور عملی قدم اُٹھا کر صفائی قلب اور نیک نیتی کا ثبوت دینے کا مبارک موقعہ ملا آیا ہے۔

یقین غالب ہے کہ اب اقلیت اور غیر مسلموں کے شکوک و خطرات کی بہت کم گنجائش رہ جائے گی۔ اور باہمی خوش اعتقادی کا مزید عملی ثبوت ملنے پر تمام شبہات قطعاً دور ہو جائیں گے۔ اُمید واثق ہے کہ جس قربانی خلوص دل اور خدمت کا ثبوت شیخ صاحب نے مسلم برادران کو نیم مردہ حالت سے اُٹھا کر ایک زندہ جماعت بنانے میں دیا ہے۔ اسی طرح اب ملکی آزادی اور ذمہ دار گورنمنٹ کے قیام کے لئے اقلیتوں کے حقوق و تحفظات کو

خاص ہوتے ہوئے نیک نیتی اور صحیح عمل سے عملی اعتماد حاصل کرتے ہوئے آزادی کی منزل کی طرف سب برادران کو ساتھ لے کر مارچ کریں گے۔

[بشکریہ دیر نیر جلد ۱۵ شمارہ ۲۰ ۱۱ جولائی ۱۹۳۳ء]

ہریجنوں کی دردناک حالت

آہ! شودر کیلئے ہندوستان غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

میں پہلے بھی ہریجنوں کے سدھار کے لئے اپیل کرتا رہا ہوں اب پھر ان کی بدستور سابقہ دکھ بھری حالت کو سدھارنے اور انکی ترقی اور بہتری کے لئے اپیل کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ ہندو سوسائیٹی اور گورنمنٹ اس پر توجہ دیگی۔

ہر کوئی ذاتی طور پر اپنے دل سے مانتا ہے کہ ہریجن جنکی تعداد ریاست میں تقریباً دو لاکھ ہے انسانی سوسائیٹی کے لئے نہایت مفید کام کرتے ہیں مثلاً جوتے بنانے کپڑا تیار کرنے، ڈورے بنانے، چھیکی ٹوکریاں تیار کرنے صفائی کرنے، میلا گوبر اور گند اُٹھا کر شہروں قصبوں سے باہر پہنچانے گلی سے لکڑی لانے، چرائی کرنے، بوجھ اُٹھانے اور کھیتی باڑی کے کام میں امداد کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرتے ہیں جو اونچی ذات کے کہلانے والے ہندو نہیں کرتے اور وہ بیچارے غریب ہریجنوں کو کرنا ہے۔ دراصل جس قدر صحت و صفائی و خدمت وغیرہ کے کام ہو رہے ہیں یہ اکثر ہریجنوں کی بہتر بنیاد قدم کی وجہ سے ہی ہو رہے ہیں اگر یہ کام چھوڑ دیں تو نہایت مشکل پیش آجائے گی۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس مفید ترین طبقۂ انسانی کی

قسمتی خدمت کا مناسب صلہ دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے ان کے ساتھ انسانیت اور اخلاق سے بعید بے رحمانہ سلوک کیا جاتا ہے جہاں غریب [illegible] سے تمام نجاسات [illegible] کے بعد جب [illegible] زندگی کی توانائی کا ساتھ [illegible] اور جسم [illegible] ہو جاتے ہیں مناسب امداد کا وقت آتا ہے تو ان کی طرف مطلق توجہ نہیں دی جاتی اور انہیں ذلالت [illegible] کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں ان کی عاقبت خراب ہوتی جا رہی ہے وہاں ہندو ذہنیت بھی ان کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کرنے کی وجہ سے اخلاقی طور پر گر رہی ہے۔

باوجودیکہ پبلک کنوؤں سے پانی لینے اور مندروں میں داخل ہونے کا حکم گورنمنٹ کی طرف سے ہو چکا ہے مگر پھر بھی اکثر دیہات میں ان پر عمل کو نہ تو مندروں میں گھسنے دیا جاتا ہے نہ پانی بھرنے دیا جاتا ہے۔ ان کے لئے ہندوؤں کی طرف سے بدستور پابندی اور مخالفت کا سلسلہ قائم ہے۔ اور یہ لوگ اس قدر خوفزدہ اور بے بس ہیں کہ سخت تکلیف و عذاب سہنے کا شکایات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ان کی مالی حالت اس قدر کمزور و خراب ہے کہ یہاں سے باہر کے ماسوائے چند دیہات کے عموماً ان کی اپنی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ اکثر دوسرے مالکیت کی زمین پر ادھیگی لگان کاشت کرتے ہیں۔ اور لگان کے ساتھ مالکان کو بیگار بھی دیتے ہیں۔ ان کے گھر کے کام وغیرہ مفت کرتے ہیں اور جب تک ایک غلام کی حیثیت سے تابع فرمان رہیں تو زمین و کوٹھا پر قابض رہ سکتے ہیں۔

بصورت دیگر خواہ وہ کسی مجبوری و بیماری کی وجہ سے مجبور ہوں انہیں بیدخلی کا نوٹس مل جاتا ہے۔ ان میں اکثر بیچاروں کا کوئی مستقل

ٹھکانہ نہیں۔ اطمینان سے ایک جگہ گزارہ نہیں کر سکتے ہیں۔ پیداوار اور اپنی سے ان کا مطلقاً گزارہ نہیں ہوتا۔ جب تک محنت مزدوری کا کام نہ کریں زندگی محال ہے اور مزدوری کا کام بھی اکثر نہیں ملتا۔ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی کا نہیں ہے بیکاری زیادہ ہے۔ ان کیلئے عجیب پریشانی کا عالم ہے۔ ان کے گھروں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو جھونپڑے [illegible] اور تنگ و تاریک ہیں۔ چراغ تک نہیں جلتا۔ ڈھوروں اور مال مویشی کے ساتھ اندھیرے میں اور دھوئیں میں جہاں دم گھٹتا ہے بغیر پوری خوراک اور مناسب کپڑے کے پڑے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اکثر بیمار ہو جاتے ہیں شاید ہی کوئی ایسا گھر ہوگا۔ جہاں کوئی بیمار نہ ہو۔ اکثر یہ لوگ مقروض ہیں اور قرضہ کی عدم موجودگی میں جائیداد اپنے جسم و جان کو [illegible] اور لڑکے بھی محنت مزدوری اور غلامی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی [illegible] ادا نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر دردناک بات ہے کہ ان غریب بیماروں کا کوئی علاج نہیں کیا جاتا۔ عموماً دیہات اور پہاڑی کوہستانی علاقہ جات میں حسب ضرورت شفا خانہ جات نہیں ہیں۔ اور زیادہ مصیبت کا سامنا انکی عورتوں کو اس وقت کرنا پڑتا ہے جب بچہ ہوتا ہے اور کوئی دایہ نہیں ملتی ہے۔ اور اگر کہیں دیہات میں کوئی ہندو عورت دایہ کا کام کرتی ہے تو وہ ان ہریجن غریب بیمار عورتوں کی امداد ایسے وقت میں اسلئے نہیں کی جاتی کہ اس سے چھوت لگ جاتی ہے۔ جب ایسی دردناک حالت ہو، اور اس قدر مفید ترین طبقۂ انسانی کی حالت نہایت خراب ہو تو ان کے دکھ درد اور ذلت آمیز حالت کو دور کرنا اور ان کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنا اخلاقاً نہایت ضروری ہے۔ گورنمنٹ اور ہندوؤں کا فرض و دھرم ہے کہ جب تک

ان کی حالت کو سنوارنے کیطرف خاص توجہ دیں۔ ورنہ جب تک ان کے ساتھ غیر انسانی اور بے رحمانہ سلوک کا سلسلہ جاری رہیگا تب تک گورنمنٹ اور ہندو سوسائیٹی مجرم بے انصافی اور غیر ہمدردانہ سلوک کے الزام سے بری نہیں ہو سکتی۔ اب میں چند تجاویز ان ہریجنوں کی حالت درست کرنے کے متعلق پیش کرتا ہوں۔

(۱) انسانی سوسائیٹی کا اول فرض یہ ہے کہ چھوت چھات کی لعنت کو انسانی جماعت میں ختم کردیں۔ اور اگر یہ مطلق طور پر جلدی انتظام نہیں ہوسکتا تو فوراً جسقدر ممکن ہوسکے ان بدقسمتوں کی مالی امداد کی جائے۔

(۲) محکمہ دھرمارتھ کی توجہ خاص طور پر ان کی امداد کیلئے کھینچی جائے دھرم سمجھا جائے دلائی جائے کہ ان غریبوں کی حالت سدھارنے کے لئے کافی روپیہ خرچ کرے۔

(۳) جس قدر روپیہ یگیوں، تیہواروں، گوردواروں مذہبی رسوم وغیرہ پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس میں خاص ان لوگوں کے لئے مخصوص رکھی جائے۔

(۴) محکمہ دھرمارتھ کے ماتحت جس قدر پاٹھشالائیں و سکول ہیں ان میں ہندوؤں کے ساتھ بطریق مساوی ان کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہونا چاہیئے۔ اور وہاں سے ہی چھوت چھات کو دور کرنا چاہیئے۔

(۵) جہاں کہیں محکمہ دھرمارتھ کے ماتحت مندروں کے ساتھ زمینیں ہیں اور خاص نقد و جنس کی آمدن ہے وہاں کے ایسے غریب نادار لوگوں بالخصوص اپاہجوں کو روٹی کپڑا و مکان ملنے کا انتظام ہونا چاہیئے۔

(۶) گورنمنٹ کیلئے لازم ہے کہ مضافات و دیہات میں ان ہریجنوں کو کنوؤں سے پانی لینے اور مندروں میں داخل ہونے کے حکم کی تعمیل کرائیں

طرف خاص توجہ دے۔ کیونکہ ابھی تک اکثر پابندیاں قائم ہیں۔ جو افسران دورہ کرتے ہیں اور جن کا واسطہ دیہاتوں سے ہے کو پابند کیا جائے کہ وہ ہریجنوں کی دیکھ بھال کریں۔ اور انکی حق تلفی جو ہو رہی ہے اسکے نگرانی کا سلسلہ قائم رہنا چاہیئے۔

(۷) ان کی تعلیم کا خاص انتظام کیا جائے اور سہولت بہم پہنچائی جائے۔ جہاں ان کی آبادی زیادہ ہے وہاں سکول کھولے جائیں اور مفت تعلیم بھی دی جائے۔ ان کی کتابوں اور کاپیوں وغیرہ کا خرچ گورنمنٹ برداشت کرے۔

(۸) موجودہ صنعتی سکولوں میں ان کے لڑکوں کو وظیفہ دیکر ٹریننگ دلائی جائے۔

(۹) ان کو اپنے اپنے پیشہ کے کام کرنے کے لئے قرضے اور خاص امداد دی جائے۔

(۱۰) ایک علیحدہ فنڈ قائم کیا جائے جس سے ان لوگوں کی بنائی ہوئی چیزیں خرید کی جاویں جو کہ سرکاری کاموں میں استعمال کی جاویں۔ اور عوام بھی ان کی بنی ہوئی چیزیں خرید کریں تاکہ ان کو وقت پر قیمت مل سکے۔ اور ان لوگوں کی تجارت قائم رہے اور گذارہ ہوتا رہے۔

(۱۱) ان کی نمایاں پسماندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی ذلیل اور بدتر حالت کے احساس کو ان میں دور کرنے کی غرض سے انہیں ملازمت میں جگہ دینے کے لئے خاص توجہ دی جاوے۔

(۱۲) جن ہریجنوں کے اپنے گھر کوٹھے نہیں ہیں اور نہ ملکیت وراثت والے ہیں۔ ان کو کوٹھا بنانے اور گھر داری کے لئے تھوڑی سی زمین اور دیگر

امداد دی جائے۔

(۷) ان سب باتوں کا حل تب ہو سکتا ہے۔ جبکہ انکی بہتری و بہبودی کے لئے ایک سپیشل آفیسر یا ایجنسی ہریجن سدھار کے نام سے قائم کی جائے اور انکی دیکھ بھال کا کام کرے۔ اور جس طریقے سے اُن کا دُکھ دور ہو سکتا ہے۔ اور انکی بہتری بہبودی ممکن ہے۔ اس پر عمل کرنے کا انتظام ہو۔ ان مؤدبانہ الفاظ سے ہی مضمون کو ختم کرتا ہوں تاکہ ریاستی گورنمنٹ چند سوسائیٹی، محکمہ دھرم ارتھ ان غریب قابلِ رحم و محتاج بھائیوں کی امداد کرکے اپنے انسانی فرائض سے سبکدوش ہوں۔

(چشمہ نمبر ۱۹۳۹ء)"

ذمہ دار نظامِ حکومت کے فوائد

سردار بدھ سنگھ ۱۹۳۰ء میں آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے صدر تھے۔ انہوں نے ستمبر ۱۹۴۰ء میں نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ بارہمولہ ایک ذمہ دار نظامِ حکومت کے جو فوائد بیان کئے ہیں۔ وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) منسٹروں کی تنخواہ پانچ صد سے زیادہ نہ ہوگی۔ تمام عملہ کی اس سے کم تنخواہ رکھی جائے گی۔

(۲) بڑھتے ہوئے اخراجات اور بلا ضرورت اسامیاں کم کرنی پڑیں گی۔

(۳) ۷۵ فیصدی یعنی ایک روپیہ میں سے ۱۲ آنے مالیہ اراضی کم کیا جائے گا۔

(۴) مستقل کا بحرانی جو مالیہ اراضی کے ساتھ وصول ہوتی ہے ختم کی جائیگی (۵) آزاد اسمبلی ہوگی۔ جس میں تمام منتخب ممبران ہوں گے اکثریت نیشنلسٹ ممبروں کی ہوگی۔ جو ہر ایک کے ساتھ حق و انصاف کا برتاؤ کرنے کا حلف لئے ہوئے ہوں گے۔

(۶) قرضہ بندی کسانوں کی تحقیقات ہوگی۔ اور واجبی جائز قرضہ کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے گا۔ اور کسانوں غریبوں کو قرضہ کے بوجھ اور فکر و مصیبت سے چھڑوایا جائے گا۔

(۷) بلا رضامندی کسی سے جبراً کام لینا یا بیگار قطعاً بند کر دی جائیگی۔

(۷) خواجہ شاہ اور جو چند تحصیلیں بعض خشکی مار / پانی مار کا مالیہ معاف کیا جایا کرے گا۔ اور ان کو مناسب امداد دی جایا کرے گی۔

(۸) خالی زمینیں جو چھ ماہ یا سال بھر خالی رہتی ہیں۔ یا جن پر فصل خاطر خواہ نہیں ہوتی۔ اور خالی چھوڑ دی جاتی ہیں ان کا مالیہ نہیں لیا جائے گا صرف زیر کاشت زمینوں کا (جبکہ فصل پختہ ہو) واجبی مالیہ وصول ہو گا۔

(۹) زراعتی ترقی کا خاص انتظام ہو گا۔ ہر ایک علاقہ اور بڑے دیہات میں زراعتی فارم قائم کئے جائیں گے۔

(۱۰) مختلف اقسام کے اناج کا بیج، سبزیوں کا بیج، میوہ دار درختان کے پودے غریب دیہاتیوں کو مفت تقسیم ہوں گے۔

(۱۱) بیمار درختان میوہ دار کے لئے دوائی مفت چھڑکائی جائے گی چکداروں بڑے زمینداروں سے قیمت لی جائے گی۔

(۱۲) مختلف اقسام کے آلات کشاورزی واجبی قیمت پر مہیا کئے جائیں گے

(۱۳) زراعتی تعلیم کا خاص انتظام ہو گا۔ اور ہر ایک بڑے گاؤں میں ایک ایک ٹرینڈ نوجوان کسانوں کو وقتاً فوقتاً زراعتی کاموں میں امداد دیگا۔ اور نئے اور مفید طریقے بتلائے گا۔ وظائف دیکر زراعتی تعلیم دلائی جائیگی اور ایک فنڈ زراعتی ترقی کے لئے منظور ہو گا۔

(۱۴) محکمہ زراعت کو پابند کیا جائے گا کہ دورہ کیا کرے اور باغات درختان میوہ دار کی دیکھ بھال کرے اور عملی تجربات کرکے دکھائے۔

(۱۵) وسعت آبپاشی کا خاص انتظام ہو گا۔ نئی نہریں نکالنے اور دریاؤں کے کناروں سے جس قدر قطعات خشک ہیں۔ ان کی آبپاشی اور پمپ لگانے کا انتظام کیا جائے۔

(۱۶) پینے کے پانی کی جہاں کہیں کمی ہے اور تکلیف ہے وہاں کنویں اور تالاب کافی تعداد میں بنائے جائیں گے اور سارے دیہاتوں اور کنڈی علاقوں کا مالیہ اراضی پہلے آبپاشی کے انتظام پر خرچ کیا جائے گا۔

(۱۷) دیہاتی سڑکیں تانگہ، لاری چلنے کے قابل بنائی جائیں گی۔

(۱۸) تمام نالہ جات اور دریاؤں پر خاص گزرگاہوں پر پل تعمیر کئے جائیں گے۔

(۲۰) تمام ہی سڑکیں جو تحصیلات اور اضلاع کے ہیڈ کوارٹر جاتی ہیں۔ اور خام ہیں پختہ کی جائیں گی، اور نئی سڑکیں تمام ریاست میں تیار کی جائیں گی۔

(۲۱) تعلیم عام ہو گی۔ ہر ایک بڑے دیہات اور علاقہ جات کے مرکز میں حسب تعداد لڑکوں کے کم از کم پانچ میل کے اندر پرائمری سکول کھولے جائیں گے پرائمری تعلیم مفت اور لازمی قرار دی جائیگی

(۲۲) تعلیم بالغاں کا کام وسیع پیمانہ پر کیا جائیگا۔ ہر ایک پڑھے لکھے آدمی کو مناسب الاؤنس دیکر اس کو کام پر لگایا جائے گا۔

(۲۳) تمام تعلیم یافتہ بیکاروں کو کام دیا جائے گا۔ عدم موجودگی کام کے گزارہ الاؤنس دیا جائے گا۔

(۲۴) لاکھوں کسان جو چھ ماہ بیکار رہتے ہیں ان کے لئے کام مہیا کیا جائیگا۔

(۲۵) گھریلو دستکاریوں کو فروغ دیا جائے گا۔

(۲۶) بجلی کا استعمال زیادہ کرنے اور اس کی آمدنی بڑھانے کا انتظام ہو گا۔

(۲۷) بڑے دیہات اور علاقہ جات میں ۲ ۲ میل کے فاصلہ پر بلحاظ

آبادی میں شفاخانے ہوں گے اور کافی دوائی دی جائیگی۔

(۲۸) تجربہ کار و تربیت یافتہ حکماء اور ویدوں کی خدمات حاصل کی جائیگی۔

(۲۹) مال مویشیوں کے علاج کے لئے تمام ریاست میں شفاخانے ہونگے

(۳۰) رشوت ستانی کا مکمل انسداد کیا جائیگا۔ نگرانی سخت ہوگی۔

(۳۱) دیانت دار، قابل اور نیک چلن ملازمان کی خاص طور حوصلہ افزائی ہوگی۔ اور بددیانت ملازمان کو عبرتناک سزا ہوگی۔

(۳۲) ادنیٰ ملازمان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے گا تاکہ وہ آسودگی سے گزارہ کر سکیں۔ اور انہیں مناسب سہولتیں بہم پہنچائی جائینگی

(۳۳) عمارتی لکڑی خشک شدہ درختان اور سبز جب ضرورت ہو تو گھر کوٹھے بنانے کے لئے برائے نام قیمت پر غریب کسانوں اور باشندگان کو دے جائیں گے۔ اور جلانے کے لئے خشک لکڑی جنگلات سے لانے کی اجازت ہوگی۔

(۳۴) ریشم اور بھیڑ بکریاں پالنے کے لئے ٹریننگ اور امداد دی جائیگی

(۳۵) بہت سے کھدر بھنڈار کھولے جائیں گے۔

(۳۶) تمام خود ساختہ چیزوں کے وقت پر خرید کرنے اور پوری قیمت پر فروخت کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔

(۳۷) کوآپریٹو سوسائٹیز دیہات و بنک کا موجودہ سسٹم تبدیل کرکے صحیح معنوں میں امدادی انجمن مستحق غریبوں اور کسانوں کی امداد کیلئے بنائی جائینگی۔ اور تمام ملک کی چیزیں خاص کر کسانوں کی پیداوار پھل وغیرہ مناسب نرخ پر منڈیوں میں بھیجکر فروخت کرنا اور ان کو فائدہ پہنچانے کا کام ہوگا۔

(۳۸) کسٹم کو مناسب حد تک کم کرنے کے لئے مناسب حل تلاش کرنا

ہوگا۔ ضروری اشیاء جو غریبوں اور کسانوں کے لئے باہر سے لائی جاتی ہیں ان ضروری چیزوں کا محصول معاف ہوگا۔ اور تمام عیش و عشرت کی آرائش اور نمائش کی چیزوں اور بدیشی ولایتی مال سے محصول زیادہ لیا جائیگا نمک، کپاس، روئی، آلات کشاورزی اور دیسی سوتی کپڑا اور قحط میں حسب ضرورت اناج ہر قسم کا محصول معاف ہوگا۔

(۳۹) قحط کا فنڈ قائم ہوگا۔ اور جب کبھی آفات ارضی و سماوی سے تباہی ہو، اس وقت مصیبت زدہ لوگوں کو امداد دی جائے گی۔

(۴۰) غیر ضروری شکار گاہوں کو ہٹائے جانے کی تجویز کی جائیگی اور ضروری شکار گاہوں کے ملحقہ دیہات کو نصف مالیہ معاف کیا جائے گا۔ اور ان شکار گاہوں میں تین ماہ کا چرائی کرانے اور گھروں کے لئے خشک لکڑی لینے کی اجازت ہوگی۔

(۴۱) پریس پلیٹ فارم کی مکمل آزادی ہوگی۔

(۴۲) آزادی رائے کا حق ہوگا۔

(۴۳) ہر کسی کو مذہبی آزادی ہوگی۔

(۴۴) فرقہ وارانہ فسادات بپا کرنے والے اشخاص کی روک تھام ہوگی۔

(۴۵) جاگیر پونچھ اور چنینی میں تمام اصلاحات و قانون جو ریاست میں نافذ ہوں کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔ پونچھ کے لوگوں کو کشمیر حق ملکیت دیا جائے گا۔ اور پونچھ میں درآمد مال اور ریاست کا محصول معاف کیا جائے گا۔

(۴۶) پنچایت اور میونسپل کمیٹیوں، ٹاؤن ایریا کمیٹیوں اور اسمبلی

کے تمام ممبران بذریعہ انتخاب مقرر ہوں گے۔

(۴۷) اتفاق اور چند اضلاع کے صحت کیلئے ہسپتال کھولے جائیں گے

(۴۸) گئوشالائیں وسیع پیمانے پر کھولی جائیں گی۔ اور محکمہ دھرم ارتھ

مکانات پر خرچ کرنے کا انتظام ہوگا۔

(۴۹) قیدیوں سے سخت مشقت کا کام نہیں لیا جائے گا۔ اور سزا

کا بید زنی کا طریقہ بند کیا جائے گا۔

(۵۰) محکمہ جیل با قاعدہ ٹرینڈ با اخلاق اور انسانیت کا مادہ رکھنے

والا ہوگا۔ اچھے ڈاکٹر اور نگران سارے وقت کیلئے مقرر ہوں گے۔

(۵۱) جیلوں کی دیکھ بھال قیدیوں کی شکایات سننے اور تمام سختی

اور رشوت ستانی دور کرنے کے لئے کمیشن مقرر ہوگا۔

(۵۲) جیل خانجات کے موجودہ ناقص انتظام کو تبدیل کیا جائے گا

اور قیدیوں سے بد اخلاقی اور ظلم کا سلوک کیا جاتا ہے اُسے بند کیا

جائے گا۔

(۵۳) مزدوروں کی مزدوری بڑھائی جائے گی۔ اور اُن کے کام

کرنے کے اوقات و تعطیلات و دیگر سہولتوں کا انتظام ہوگا۔

(۵۴) حسب حالات ملک و ضرورت کے نصاب تعلیم مقرر

کیا جائے گا۔

(۵۵) ادویات جنگلی جڑی بوٹی پیداوار دریافت کرنے کا انتظام

کیا جائے گا۔

(۵۶) تمام کسانوں، مزدوروں و دیگر غریب لوگوں کو اپنے گھر

مضبوط، با صحت اور حسب ضرورت بنانے کے لئے لکڑی مہیا ہوگی، تاکہ

بجائے گھاس پھوس کے چھتوں پر سینگل یا تختے ڈال سکیں۔

(۵۷) دیسی چیزوں کا استعمال لازمی قرار دیا جائے گا۔

(۵۸) ہر کسی کو ہتھیار رکھنے کی اجازت ہوگی۔ اور جنگلی درندوں

جو کہ فصلوں کا نقصان کرتے ہیں مارنے کی اجازت ہوگی۔ خواہ وہ

شکار گاہوں کے بالکل نزدیک ہی کیوں نہ ہوں۔

(بشکریہ زمیندار ۲۸ مئی ۱۹۴۸ء)

یہی وجہ ہے کہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس نے اس وقت اپنی تمام
توجہ اس مقصد کو پورا کرنے کی طرف مبذول کر دی ہے۔ چنانچہ مرکز
کی ہدایت کے مطابق تمام ضلع کمیٹیاں اور حلقہ کمیٹیاں شہروں اور قصبوں
میں محلے محلے اور دیہاتی علاقوں میں گاؤں گاؤں میں حفاظتی کمیٹیاں
بنانے اور خدمت خلق کرنے پر مامور ہو چکی ہیں۔ تاکہ لوگوں کی جان و مال
عزت و آبرو اور ننگ و ناموس کی حفاظت کر سکیں۔ ہندوؤں مسلمانوں
اور سکھوں میں محبت، اتحاد، رواداری اور مشترکہ ذمہ داری کا احساس
پیدا کریں۔ ان کی ہمت بڑھائیں۔ ان میں اضطراب نہ پھیلنے دیں۔ انہیں
کھانے پینے کی چیزوں اور دوسری ضروریات زندگی کا ہر سامان مل سکے
اور سخت سے سخت خطروں کے موقعہ پر ہر محتاج اور بے گھر انسان
کی امداد اور خدمت کا فرض انجام دیں۔ تاکہ قوم آزمائش اور مصیبت
کی گھڑیوں سے زندہ و سلامت بچ نکلے۔ اور دنیا کی آزادی، مساوات
و جمہوریت کے نظام جدید کو بنانے میں حصہ دار ہو سکیں۔ نیشنل کانفرنس
اپنے ان فرائض کو انجام دینے کے لئے کافی سرگرمی سے مصروف ہے۔ مگر کام
کی اہمیت اس سے بھی زیادہ سرگرمی کی طلبگار ہے۔ میں تمام کارکنان
نیشنل کانفرنس سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ موجودہ حالات میں اپنے
وقت اور محنت کی قربانی دیکر پہلے سے چارگنی سرگرمی کے ساتھ ان فرائض
کو انجام دیں۔ جو اس وقت مرکز سے ان کے ذمے لگائے گئے ہیں۔ اور
اس کے ساتھ ہی ملک کے ان تمام نیک احساس اور انسانی ہمدردی کا
جذبہ رکھنے والے لوگوں سے میری اپیل ہے کہ وہ اس وقت نیشنل کانفرنس
میں شامل ہو کر ملک کے اندرونی امن و امان اور عوام کی جان و مال اور

دوسری جنگِ عظیم کے دوران

ریاستی عوام سے اپیل

جنگ کے خطرات جوں جوں ہمارے قریب آتے جاتے ہیں۔ ہماری
ذمہ داریاں اور فرائض میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں ملک
کے اندرونی امن و امان کی حفاظت بیرونی حملے کی مدافعت سے کچھ کم
اہمیت نہیں رکھتی۔ خاصکر ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف فرقے بستے
ہوں۔ اور بدقسمتی سے گذشتہ ایام میں ان کے تعلقات بگاڑنے کے لئے
مختلف خود غرض طاقتیں مصروف رہی ہوں وہاں اندرونی امن کی حفاظت
پر ہی ملک و قوم کی موت و حیات کا سوال منحصر ہے۔ آل جموں و کشمیر نیشنل
کانفرنس نے گذشتہ پونے تین سال کے عرصے میں اپنی ساری کوششیں
مختلف فرقوں کے اتحاد و تعاون کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ اور یہ اتحاد و
یکجہتی کانفرنس کے محبوب ترین مقاصد میں شامل ہے۔ کیونکہ ریاست
کے عوام جس نصب العین کے لئے پچھلے گیارہ برسوں سے کوشش کر رہے
ہیں۔ اس کا حصول اتفاق و یکجہتی کے ساتھ ہے۔ مگر خود غرض طاقتیں
بھی اتفاق کے نتائج سے بے خبر نہیں۔ اس لئے وہ بھی تفرقہ اندازی
اور "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کو چلاتی رہی ہیں۔ جنگ کے تازہ
ترین نتائج و اثرات کے پیشِ نظر ہندوستان کے ساتھ ساتھ ریاست
کشمیر بھی ایک ایسے دور سے گذر رہی ہے جس میں یہاں کے اندرونی امن
امان کا تحفظ ہی ہمارے مستقبل کے روشن ہونے کا ذمہ دار ہو سکتا ہے

عزت کی حفاظت کا پاکیزہ فرض انجام دیں۔ خاص کر ان لوگوں سے نیشنل کانفرنس میں پرجوش حصہ لینے کی میں اپیل کرتا ہوں جو نیشنل کانفرنس کے مقاصد اور طریقہ کار سے اتفاق و ہمدردی رکھتے ہیں مگر ابھی تک عملاً تنظیم میں شامل نہیں ہوئے یا شامل ہو کر کسی وجہ سے الگ ہو گئے ہیں۔ تمام اہل وطن سے میری یہی اپیل ہے کہ وہ اس نازک موقعہ پر ملک و اہل ملک کے تحفظ و خدمت کا جو شریف مقصد درپیش ہے، اسے انجام دینے کے لئے ایک مرکز پر آجائیں۔ اور نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر یک رنگی کا ثبوت دیں۔

(بشکریہ خالد سری نگر ۱۲ جون ۱۹۴۲ء)

چرچل کے نام ایک خط

مسٹر چرچل وزیر اعظم برطانیہ نے ہندوستان کے تازہ حالات کی نسبت پارلیمنٹ میں ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ء کو جو وضاحت کی وہ امپیریلزم کی ہیجانہ سازشوں کا ایک تازہ مرقع ہے۔ اور ہندوستان کے مختلف الخیال رہنما اس کی کافی قلعی کھول چکے ہیں۔ خاص کر ریاستی باشندوں کی نسبت مسٹر چرچل نے جو کچھ کہا وہ ایک کھلی غلط بیانی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "ساڑھے ۹ کروڑ ریاستی لوگ بھی انڈین نیشنل کانگریس کے مطالبے سے اختلاف رکھتے ہیں" حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ریاستی لوگ کانگریس کے مطالبہ کی تائید میں سب سے زیادہ سرگرم ہیں۔ سالہا سال سے تمام ریاستوں کی ترجمانی کرنے کے لئے آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس قائم ہے۔ جس نے ہر موقعہ پر آزادیٔ ہند کے متعلق کانگریس کی تائید کی ہے اور کانگریس کی ہمنوائی کو اپنا طریقہ کار بنائے رکھا ہے۔ جبکہ ریاستوں کو کانگریسی تحریک آزادی کی لائینوں پر سیاسی تربیت دینے کے لئے صدارت کا منصب ان رہنماؤں سے پُر کیا ہے جن کا مقام کانگریس کی پہلی صف میں ہے۔ اس وقت بھی آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے صدر فخر ہند جناب پنڈت جواہر لال نہرو ہیں۔ اور اس سے قبل کئی سال تک ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ ایسے بزرگ یہ فرائض انجام دے رہے تھے۔ انفرادی طور پر تمام بڑی ریاستوں میں نیشنل کانگریس کمیٹیاں، نیشنل کانفرنس

کیٹیاں پرجا پریشد اور دوسرے ناموں سے سیاسی انجمنیں قائم ہیں جو ریاستی لوگوں میں گھرے اور ہمہ گیر اثر و رسوخ کی مالک ہیں۔ یہ سیاسی ادارے ریاستوں کے ذمہ دار نظام حکومت کے طالب ہیں۔ اور تمام ہندوستان کے لئے بحیثیت ہندوستانی ان کا مطالبہ وہی ہے جو انڈین نیشنل کانگرس اور دوسری مکمل آزادی مانگنے والی انجمنوں کا ہے۔ اور اس وقت سب کے سب ریاستی ادارے کانگرس کے مطالبۂ فوری آزادی کی تائید کرتے ہیں۔ کئی ایک ریاستوں میں تو ۹ اگست ۱۹۴۲ء کے بعد وہی حالات رونما ہو چکے ہیں۔ جو کانگرسی رہنماؤں کی گرفتاری پر برطانوی ہند میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اور باقیوں نے بھی مطالبے کی تائید بلند آہنگی سے کی ہے۔ خود ریاست جموں و کشمیر کے طول و عرض میں نہ صرف نیشنل کانفرنس بلکہ دوسری سبھا سوسائٹیوں نے بھی کانگرس کی تائید و حمایت میں کوئی کمی نہیں کی۔ اور اس کا اندازہ ۹ اگست کی ہڑتال اور جلسوں سے لگایا جا سکتا ہے اس سے قبل کرپس مشن کے موقعہ پر بھی دس کروڑ ریاستیوں کی نمائندہ جماعت سٹیٹس پیپلز کانفرنس نے ہندوستان کی آزادی اور خود ریاستہائے ہند کے باشندوں کی آزادی کے مطالبہ میں جو طریقہ کار اختیار کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں مگر ان باتوں کے باوجود مسٹر چرچل کا یہ دعویٰ کرنا کہ ۹ کروڑ ریاستی لوگ کانگرس کے مطالبہ کے مخالف ہیں۔ ظاہر کرتا ہے کہ یا تو وزیر اعظم حالات سے بے خبر ہیں یا ان کی امپیریلزم کی مصلحتیں ہندوستان ہمیشہ غلام بنائے رکھنے کا شوق انہیں مجبور کر رہا ہے کہ وہ ایک بہت بڑی غلط بیانی کر کے دنیا کو دھوکے میں رکھنے کی ناکام کوشش کریں۔

(ہمشکو خالصہ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۲ء)

جاگیر چنہینی کی رعایا کی شکایات

کئی سال سے باشندگان جاگیر کی طرف سے شکایات گورنمنٹ جموں و کشمیر کے گوش گذار ہوتی رہی ہیں۔ اخبارات میں کئی مضامین چھپ چکے ہیں اور کئی دفعہ غریب رعایا کی بڑھتی ہوئی تکالیف نے واویلا کی صورت اختیار کی۔ اب مجبوراً انہیں یہ قدم اٹھانا پڑا اور چنہینی جاگیر یا نیشنل کانفرنس کے ڈیلی گیٹ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ سوپور میں شامل ہوئے جہاں ان کی طرف سے ایک ریزولیوشن آج تک کی تمام شکایات کی تحقیقات واسطے کے نئے آزاد کمیشن مقرر کرنے کے متعلق پیش ہو کر باتفاق رائے پاس ہوا۔

اور اس اجلاس میں مستقل عرضداشت مرتب کی گئی جس کو ڈیپوٹیشن نے پرائم منسٹر صاحب کو پیش کیا۔ اس کا کیا حشر ہوا اس کا مفصل حال معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن دو ممبران ڈیپوٹیشن کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ ڈیپوٹیشن کو پرائم منسٹر صاحب نے کہا کہ تم لوگوں کو یہ خیال دل سے نکال دینا چاہئے کہ راجہ صاحب کے اختیارات بھی واپس لئے جا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی کہا کہ چونکہ ریونیو کمشنر صاحب کو برائے تحقیقات و رپورٹ تعینات کیا گیا ہے اس کے پاس شکایات کی تائید میں ثبوت پیش کرو۔

اگر ان ممبران کی رپورٹ درست ہے تو پرائم منسٹر صاحب نے تحقیقات کا نتیجہ معلوم کرنے سے پیشتر راجہ صاحب جس کے برخلاف رعایا کی شکایات ہیں

اور جس کے قانونی اختیارات کے ناجائز استعمال کے بارے میں رعایا کے بڑے اعتراضات ہیں۔ راجہ صاحب کے متعلق رائے و نیز راجہ صاحب کے اختیارات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں ہو سکتی۔ ریونیو کمشنر کی طرف سے تحقیقات کے نتیجہ کو بے اثر کر دیا ہے۔ اس کا اثر یا شبہ تحقیقات دریافت اور شہادتوں پر بہت بڑا پڑیگا۔ جب عوام شکایت کنندگان کو پہلے سے ہی بتا دیا گیا کہ وہ راجہ صاحب جاگیردار کے اختیارات واپس لینے کا خیال دل سے نکال دیں تو پھر جو مشکلات و مصائب اُن غریبوں کو آئے اور قانونی اختیارات کے استعمال کے سلسلہ میں پیش آ رہی ہیں وہ کس طرح کم ہو سکتی ہیں۔ باوجود اعلانات کے پھر بھی اگر جاگیر کے باشندگان پرائم منسٹر صاحب و ریونیو کمشنر کے پاس ثبوت پیش کریں گے۔ تو صرف اس امید پر کہ پرائم منسٹر صاحب کے مندرجہ بالا کسی کا اُن کی طرف سے تحقیقات پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ اور جس انصاف کے پیش نظر غیر جانبدارانہ تحقیقات ہو کر موجودہ مصائب اور دکھوں کا خاتمہ ہوگا۔ اس لئے اب اُن فریادی لوگوں کی آنکھیں ریونیو کمشنر کی منصفانہ و بے لاگ تحقیقات کے نتیجہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اور یہ اُن کے لئے پھر ایک امتحان کا وقت ہے۔

اگر بدقسمتی سے جاگیر کی رعایا انصاف نہ پا سکی تو پھر جو ریزولیوشن نیشنل کانفرنس کے پچھلے اجلاس میں پاس ہوا ہے اُسے عملی صورت دینے کے لئے کانفرنس کو جدوجہد کرنی پڑیگی۔ کیونکہ جب تک آزاد کمیشن کے ذریعہ تحقیقات، انسدادی تدابیر عمل میں نہ لائی جائیں تب تک حقیقی انصاف مشکل ہے۔

امید ہے کہ ستم رسیدہ اور فریادی لوگ بے خوفی اور سچائی سے کام

لیں اپنی شکایات پیش کریں گے اور ثبوت دیں گے۔ کیونکہ اگر وہ کسی دباؤ یا ترغیب و لالچ کے زیر اثر حقیقی شکایات و تکالیف کے پیش کرنے میں پس و پیش کریں گے اور اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیں گے۔ تو ہمیشہ کے لئے بے انصافی کا تختۂ مشق بنے رہیں گے اور آئندہ نسلوں کو پھر اس مصیبت کا شکار بنائیں گے۔ اس لئے ان لوگوں اور ان کے حمایتی آزاد خیال قومی خادموں کا فرض ہے کہ وہ اصل اور سچے واقعات ریونیو کمشنر کو پیش کرنے کی کوشش کریں تاکہ جملہ شکایات کا سدِّباب ہو جائے اور موجودہ مصیبتیں اور دکھ دُور ہوں۔ جس کے نتیجہ کے طور پر رعایا جاگیر چنینی اور راجہ صاحب جاگیردار کے درمیان کی کشیدگی دُور ہو کر خوشگوار تعلقات پیدا ہو جائیں۔

(ہمدرد عدالت۔ ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء)

چھنبی جاگیر کا مورچہ

جاگیر چھنبی میں پے در پے مظالم خلاف قانون کارروائیوں اور تشدد سے تنگ آ کر سینکڑوں لوگ ہجرت کر کے ادھم پور اور بٹوت پہنچ گئے تھے۔ اور جب مہاجرین کا جتھا سمرولی میں مقیم تھا۔ اور ۲۲ چیت کو چھنبی کی طرف مارچ ہونا تھا کہ گورنمنٹ جموں و کشمیر کی طرف سے گورنر صاحب جموں وہاں پہنچے۔ اور انہوں نے میرے ساتھ قریباً ۳ گھنٹے بات چیت کی۔ میں نے انہیں تمام حالات مظلوموں پر طرح طرح کے جبر و ستم کے سنائے اور ایک دردناک واقعہ سنایا کہ ایک غریب ہریجن عورت مسماۃ چھوڑی ساکن بانگیں کو جاگیردار کے ملازمان اور پولیس والوں نے زد و کوب کیا جس سے اس کا حمل ضائع ہو گیا ہے۔ مردہ بچہ پیدا ہوا اور عورت سخت بیمار ہے اس پر گورنر صاحب متاثر ہوئے اور انہوں نے عورت کے خاوند سے جو جلسے میں موجود تھا درخواست لی کہ وہ اسپیشل جج کے سپرد کر دیں گے۔ اگرچہ مجھے کہا گیا کہ سمرولی سے آگے مارچ نہ کیا جائے۔ مگر پروگرام بن چکا تھا۔ لہذا ۲۲ چیت کو میں مہاجرین کے ساتھ ڈوڈی نالہ پہنچا۔ اور جاگیر چھنبی سے چند گز کے فاصلہ پر کیمپ لگا دیا گیا اور گورنر صاحب کو کہا گیا کہ کل ۲۳ چیت کو جواب دیا جائیگا۔ ۲۳ چیت کو قبل دوپہر گورنر صاحب بٹوت واپس آ گئے۔ انہوں نے پھر مجھ سے بات چیت کی جو بات میں نے گورنمنٹ کے پاس پہنچائی تھی

وہ سنائی اور تحریری یادداشت دینا چاہی۔ مگر گورنر صاحب نے کہا کہ انہیں یاد رہے گی۔ وہ یادداشت حسب ذیل تھی۔ جاگیر چھنبی کے لوگوں کے مطالبات یہاں بڑے بڑے مطالبات یہ ہیں۔

(۱) جاگیر سے تمام قانونی و انتظامی اختیارات واپس لئے جائیں۔

(۲) آزاد کمیشن کے ذریعے جاگیردار کی تمام خلاف قانون کارروائیاں اور لوگوں کے حقوق چھین لینے اور ان کو نقصان پہنچانے وغیرہ جملہ شکایات کی تحقیقات۔

(۳) ریونیو کمشنر صاحب نے جن چند شکایات کی تحقیقات کی ہے رپورٹ کی ہے اسے مشتہر کیا جائے۔ اور اس پر صادر شدہ احکامات [illegible] جائیں۔

(۴) تمام باقی شکایات کے متعلق اندراجات مال و بندوبست کے شروع سے ترمیم کرنے اور لوگوں کی جس قدر ملکیت اپنے نام لکھائی ہے جاگیر جس قدر چراگاہوں پر اور شاملات پر قبضہ کیا ہے اور جو ناجائز طریقے پر زمینداروں کی زمینات بیچی گئی ہیں۔ ان سب معاملات کے لئے ریونیو کمشنر یا اسی پوزیشن و اختیار کا افسر برائے تحقیقات مقرر کیا جائے۔

ان ہر چہار مطالبات مذکورہ صدر کے لئے جاگیر کے لوگ اس وقت تک متواتر کوشش جاری رکھیں گے جب تک یہ پورے نہ ہوں چنانچہ اس سلسلہ میں جبکہ انتہائی تشدد و جبر و ظلم لوگوں پر ہوا اور کیا گیا تو لوگ تنگ آ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور اب جاگیر کے ان تمام ناجائز جابرانہ احکام اور پابندیوں کو توڑنے کے لئے ایجی ٹیشن پر تیار بیٹھے ہیں۔ اور موقعہ پر جب کہ سرحد ریاست و جاگیر کا چند گز کا فاصلہ ہے پہنچ چکے ہیں گورنر

صاحب نے گورنمنٹ جموں و کشمیر کا پریس نوٹ جو چھپ چکا ہے دکھا کر
گورنمنٹ جسقدر جلد ہو سکے مطالبات کی نسبت فیصلہ کریگی۔ اور چند ایک
مطالبات منظور ہو چکے ہیں باقی کا بھی بہت جلد فیصلہ ہو جائے گا لیکن
گورنمنٹ ان شکایات و مطالبات کا تصفیہ کرنے کے لئے بیتاب ہے
اس لئے صورت حسب ذیل شرائط پر سمجھوتہ ممکن ہو سکتا ہے۔
(۱) دفعہ ۱۴۴ واپس لی جائے (۲) دفعہ ۱۰۵ الف کے تمام نوٹس
واپس لے جائیں۔ اور اس کے متعلقہ مقدمات بھی واپس لے جائیں۔
(۳) تمام مطالبات کے قطعی فیصلہ تک جس قدر جلد ممکن ہو سکے جاگیردار
کو قانونی اور انتظامی اختیارات کے استعمال سے روک دیا جائے۔ (۴)
گورنمنٹ جموں و کشمیر کی طرف سے بذریعہ گورنر صاحب جموں جاگیر کے لوگوں
کو اس بات کا واضح طور پر اطمینان دلایا جائے کہ لوگوں کی جانی و مالی عزت
و آبرو ہر طرح محفوظ ہے اور گورنمنٹ جموں و کشمیر اس کے لئے ذمہ دار ہے۔
اور باقی کے فیصلہ کرنے کے لئے گورنمنٹ بیتاب ہے تو جاگیر چنینی کے
عوام بھی بڑی بیتابی سے تمام شکایات و مطالبات کی بابت آخری فیصلہ
سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ اگر جلدی فیصلہ نہ ہوا۔ اور بدستور سابق غیر آئینی
جبر و ستم کی کارروائی جاری رہی تو عوام بھی اس کے خلاف قدم اٹھانے
پر مجبور ہونگے۔ بات چیت ختم کرنے کے بعد گورنر صاحب جموں تین دن کے بعد پھر
ڈوڈی نالہ پہنچے۔ اور انہوں نے پھر میرے ساتھ بات چیت کی۔ اور کہا کہ
دفعہ ۱۴۴ اور ۱۰۵ الف کے تمام نوٹس تین روز کے بعد واپس لے جائیں گے
میں نے کہا یہ ممکن نہیں ہے تمام جتھہ باعزت طریقے پر حدود جاگیر داخل
ہوگا کیونکہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ان ناجائز پابندیوں و دفعہ ۱۴۴ کو بغیر کسی

وجہ سے محض جاگیر کے عوام کو تنگ کرنے کے لئے عمداً لگائی ہے کو توڑا جائے
(۵) اب گورنمنٹ کو دیکھنا چاہئے کہ تمام پابندیاں و دفعہ ۱۴۴ کو پہلے
منسوخ کرنا مناسب ہے یا بعد میں۔ چنانچہ وہ اسی بات پر اڑے رہے کہ گورنمنٹ
وعدہ کرتی ہے کہ تین روز کے بعد ایسی پابندیاں و دفعہ ۱۴۴ اٹھائی جائینگی
اب میرے لئے اور مہاجرین کے جتھہ کے لئے سوائے مارچ کے
کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ میں اور چیت رام و دھائی سو مہاجرین کا جتھہ
کے جلوس کی شکل میں پل والا جھنڈا لہراتا ہوا انقلاب زندہ باد۔ آزادی
چنینی زندہ باد۔ نعرہ آزادی۔ جے ہند۔ نیشنل کانفرنس زندہ باد لگاتے ہوئے
حدود جاگیر داخل ہو گئے۔ اس طرح مسٹر بلرام جی گوپال دت جی سینگی و دیگر
کارکنان جتھہ کے ساتھ موٹر شیڈ جا کر اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ میں اور
چیت رام کو بلوت پہنچا تو مہاجرین نے زبردست نعرے لگائے۔ دو [illegible]
کو جلسہ ہوا۔ جس میں گورنر صاحب نے مہاجرین کو سنایا کہ ان کے چند ایک
مطالبات منظور ہو چکے ہیں اور باقی کی بابت جلد فیصلہ ہو جائے گا۔ اور اگر
واپس جاتے ہوئے آپ ڈرتے ہیں تو میں گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو یقین
دلاتا ہوں کہ آپ کی جان و مال عزت و آبرو ہر طرح محفوظ ہے۔ اور آپ کو کسی
قسم کا ڈر خوف نہیں رکھنا چاہئے کوئی آپ کو بے عزت اور تنگ نہیں کریگا۔ گورنمنٹ
ذمہ دار ہے۔ مگر آپ کو کوئی خلاف قانون کارروائی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے بعد
میں نے مہاجرین کو ہر طرح تسلی دی۔ اور آئندہ کے لئے تیار رہنے کی تاکید
کی کہ جب تک تمام مطالبات پورے نہ ہوں تب تک جدوجہد جاری رہے گی
مہاجرین نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کے ساتھ جاؤں ورنہ وہ پھر لوٹ جائیں گے
چنانچہ جب میں اور چیت جتھہ لیکر سری کی طرف روانہ ہوا تو بمقام بڑوت مجھے ایک

ایک نوٹس ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ جو پابندیاں چھ ماہ کے لئے خود جاگیر میں عائد کی آپ سے لگان کی گئی تھی وہ منسوخ کی جاتی ہے۔ قریباً تین سو صاحبین کا جتھہ جلوس کی شکل میں نعرے لگاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے مختصر ہدایات دیں اور وہاں سے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ میں ۲۹ تاریخ کو واپس پہنچ گیا۔ اور وہاں سے چونکہ ہر دو جتھوں کا مصمم ارادہ تھا کہ باعزت و باوقار طریقہ سے واپس جائیں گے۔ اور انہوں نے ہر مصیبت و قربانی کیلئے حلف اٹھایا تھا۔ اس لئے جن پر پابندیاں عائد تھیں انہوں نے ۱۰ اکتوبر اور دسمبر ۱۹۳۳ء کو قطعاً بے اثر کر دیا گیا اور اسے توڑ دیا گیا۔ یہی پروگرام تھا جو پورا کیا گیا۔ جاگیردار کی طرف سے گورنمنٹ جموں و کشمیر کے حسبِ منشا انتہائی کوشش کی گئی۔ اب جبکہ یہ گتھا گیا کہ پندرہ مطالبات منظور ہو چکے ہیں تو یقیناً جدوجہد جلسے چلنے پر ہو گی۔

محض عارضی طور پر یہ سلسلہ بند کیا گیا جب تک جاگیردار کے قانونی اور انتظامی اختیارات واپس نہیں لئے جاتے۔ اور جس قدر اراضیات لوگوں کی ناجائز طریقہ پر چھین لی گئی ہے اور کسان خاص کر غریب مالک ہر جنوں کو کاشت کا بالمقطع غیر اپنی و نقدی کے بجائے لگان کے جبراً وصول کرنے کو بند نہیں کیا جاتا۔ اور اندر دفات کو تبدیل نہیں کیا جاتا تب تک امن قائم رہنا اور جاگیر کے لوگوں کا جاگیردار پر اعتماد قائم رہنا مشکل ہے۔

امید ہے کہ گورنمنٹ جموں و کشمیر اپنے وعدے لوگوں کو اطمینان دلانے اور ذمہ داری کو اطمینان کے سلسلے میں کاربند رہے گی اگر اس میں کسی قسم کی کمی ہوئی کی گئی تو یقیناً جاگیر کے لوگوں کی تمام امیدیں گورنمنٹ سے ختم ہو جائیں گی۔

اس اثناء میں جاگیر کے [illegible] تنظیم اور قربانی نیز مصائب و

مشکلات برداشت کرنے میں ان کی قدر و عزت کرتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کا حصّہ اس تحریک میں ہر طرح کی قربانی کے لئے حلف لے لیا تھا اور سرگرم حصہ لیا ہے ان کا بھی شکر گزار ہوں اور محترم [illegible] صاحب جنہیں چودہ جنوں کے منظوروں کیلئے بڑی تڑپ ہے اور انہوں نے بحیثیت ایک ترقی پسند آزاد خیال ہندو کے اپنا پارٹ ادا کیا۔ دل میں ان کی بڑی عزت ہے۔ پنچ رلیف بورڈ جموں بورڈ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مالی امداد دی ہے غرضیکہ جن اصحاب نے مہاجرین کی امداد کی ہے ان سب کا شکر گزار ہوں۔ گو کہ صاحب جموں [illegible] کا مناسب و معقول و منصفانہ طریق کار قابل تعریف ہے۔

(بشکریہ " خدمت " ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء)

ودھے پور میں مہاتما کی تقریر

آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے پچھلے اجلاس میں جو پہلا ریزولیوشن پیش ہوا، اس میں ریاستی لوگوں کو گذشتہ چند سالوں کے دوران ان کی سیاسی اور تعمیری کاموں میں بیداری پر اظہار خوشنودی کیا گیا تھا۔ اور اس امر پر اظہار اطمینان کیا گیا تھا کہ ریاستوں کے باشندوں نے ۱۹۴۲ء میں جاری کردہ قومی جدوجہد میں اپنا اہم حصہ ادا کیا ہے۔ ریزولیوشن میں یہ بھی درج تھا کہ اس بیداری سے فائدہ اٹھایا جائے اور آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کو مضبوط بنایا جائے تاکہ لوگوں میں خود اعتمادی کا جذبہ بڑھے اور وہ اپنے منتہائے مقصود یعنی ذمہ وار نظام حکومت میں جلد سے جلد کامیاب ہوں۔ اس ریزولیوشن کی تائید میں سردار بدھ سنگھ جی نے جو تقریر کی اس میں انہوں نے کہا جو ریزولیوشن میرے بھائی صاحب نے پیش کیا ہے۔ اس کی وضاحت انہوں نے فرمائی ہے۔ میں اس کی تائید کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ بلا شبہ پچھلے چند سالوں میں خاصکر ۱۹۴۲ء کے بعد ریاستی لوگوں میں آزادی کا احساس پیدا کرنے کا کام تیزی سے ہو رہا ہے۔ جب اگست ۱۹۴۲ء میں ہندوستان کے کانگرس لیڈر اور دیگر ہزاروں کارکن دیش بھگت قید کئے گئے۔ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے تو کئی ریاستوں کے باشندگان کو بھی اسی اندولن میں سخت مصائب و تکالیف کا

شکار ہونا پڑا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس نے ۱۹۴۲ء کے ریزولیوشن کی تائید کی۔ اور بھاری جلسے کئے اور جلوس کئے اور کانگرسی جھنڈا لہرایا گیا اور ہندوستان کی آزادی کا نعرہ بلند کیا اور اس آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا تہیہ کیا۔ ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ جب تک ہندوستان آزاد نہیں ہوتا۔ تب تک ریاستی پرجا کو آزادی کا نصیب ہونا مشکل ہے اور بغیر ہندوستان کے آزاد ہونے کے ریاستی لوگوں کی مصیبتوں دکھوں اور ظلم و ستم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ ہم ریاستی لوگ ڈبل قید میں ہیں۔ دس کروڑ ریاستی باشندوں کو ریاستوں کی حکومتوں، راجوں، مہاراجوں نے بھیڑ بکریوں کی طرح بند کر رکھا ہے۔ آزادی سے سانس نہیں لے سکتے۔ اپنی مشکلات مصائب کا اظہار نہیں کر سکتے۔ اور زندگی کی ضروریات روٹی کپڑا مکان وغیرہ کیلئے تقاضا نہیں کر سکتے۔

ہندوستان بھی غلام ہے۔ وہ ایک بڑا جیلخانہ ہے۔ جس کی چار دیواری کے اندر ہم بدنصیب دس کروڑ ریاستی بری طرح کال کوٹھریوں میں بند پڑے ہیں۔ اور بڑی بیتابی اور درد بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کب بڑے جیل ہندوستان کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور کب جیل کی دیواریں گرتی ہیں۔ تاکہ ہماری سنگین کوٹھریوں کے دروازے بھی کھلیں۔ اور ہم بھی آزادی کا سانس لے سکیں۔ جہاں ہندوستان میں ۹۰ فیصدی مزدور کسان ہیں۔ اسی طرح ہمارے ملک کشمیر میں ۹۰ فیصدی غریب کسان ہیں اور وہی مزدور بھی ہیں کیونکہ آجکل کشمیر میں برف پڑی ہوئی ہے اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس لئے ہزاروں کسان مزدوری کیلئے

سکے لئے پنجاب اور ہندوستان آگئے ہیں۔ آپ ان کی حالت دیکھ رہے
کہنے کو تو کہا جاتا ہے کہ کشمیر جنت ہے۔ سورگ ہے۔ مگر ہمارے لئے جہنم
ہے۔ دیگر کئی قسم کی تکلیفوں، دکھوں کے علاوہ جن کی تشریح مختصر
وقت میں مشکل ہے۔ آجکل جبکہ سخت سردی ہے اور کشمیر میں برف پڑی
ہوئی ہے۔ تمام جھونپڑوں کے مکانوں میں کھانے کے لئے پوری خوراک
نہیں ہے اور نہ ہی خاطر خواہ بستر اور کپڑے ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ ان کو
لکڑی جلانے کے لئے حسب ضرورت مہیا نہیں ہوتی۔ حالانکہ جنگل بھرے
پڑے ہیں اور جن جنگلوں کی لکڑی ہندوستان اور اس کے باہر کے ملکوں
کو کثرت سے جاتی ہے اور بڑے بڑے عالیشان مکان وغیرہ کے لئے
استعمال ہوتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے کشمیر کے غریب کسان مزدور گھاس
پھوس کے جھونپڑوں میں مصیبت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شدت
کی سردی، برف باری کی مصیبت سے، اپنے آپ کو بچانے کے لئے
جلانے کی لکڑی سے محروم ہو رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ جہاں ہم نے
سنہ ۱۹۴۲ء کے اندولن کے دور کا کانگرس کا جھنڈا بلند رکھا۔ اور وہاں
ہمارا جھنڈا سرخ رنگ والا جس پر ہل کا نشان ہے بھی لہرا رہا ہے
سرخ رنگ انقلابی ہے۔ مزدور کا ہے اور ہل غریب کسانوں کا۔ کون
نہیں جانتا کہ یہ جس قدر بڑی بڑی عمارتیں، محلات، بازار، سڑکیں
اور تمام سامان زندگی اور طرح طرح کے ذخیرے بازاروں میں پڑے
ہیں۔ یہ مزدور اور کسان کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہے۔ ہم ان
محلات اور عالیشان عمارات کو کیا کریں۔ جبکہ ان کے بنانے میں
خون و پسینہ ایک کر کے بنانے والے خود بھوکے ننگے، مصیبت اور دکھ

میں مبتلا ہیں۔ اور ایک طرف خوبصورت عمارات دوسری طرف گھاس
کی جھونپڑیاں اور لوگ ننگے بھرے ہوئے ہیں۔ میں اس طور پر کہنا چاہتا
ہوں کہ تمام ادنیٰ سے اعلیٰ تک گدا سے شاہ تک ایک چونٹی سے لیکر
ہاتھی تک تمام جانداروں کی زندگی کے آرام آسایش کا دارومدار۔ مزدور
اور کسان کی محنت ہے۔ خدا نہ کرے اگر آج مزدور کا ہتھوڑا ٹوٹ
جائے اور کسان کا ہل ٹوٹ جائے تو یہ جس قدر شان و شوکت امراء
وزراء، اجلاس مہاراجوں نوابوں سرمایہ داروں کی آپ دیکھ رہے ہیں
یہ سب ختم ہو جائے گی۔ اور یہ سب نقشہ بدل جائے گا۔ غریب مزدور
اور کسان دراصل تمام لوگوں کا بینک و خزانہ ہیں۔ اور یہی ہماری جان
ہیں۔ اس لئے اسے اٹھانے زندہ رکھنے آزاد کرنے کیلئے اور آسودہ حال
زندگی بسر کرنے کیلئے ہم نے آج ہل کا نشان والا جھنڈا بلند کیا ہے اور
اور یہ عہد کیا ہے کہ ہم جب تک عملی ذمہ دار نظام حکومت یعنی آزادی حاصل
نہیں کر لیتے تب تک دم نہیں لیں گے۔ کیونکہ ہم اچھی طرح ذہن نشین
کر چکے ہیں کہ غلامی، ذلت، مظلومیت اور بے بسی کی زندگی ہے۔ آزادی
کی کشمکش میں ہم موت کو پسند کریں گے۔ اب ریاستی دنیا موجودہ
مظالم اور دکھ سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس میں حرکت پیدا ہو چکی
ہے۔ جس طرح آج سے پہلے سنہ ۱۹۴۲ء کے وقت۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں
اس طرح آئندہ بھی آزادی کی جدوجہد جاری رہی ہے اور بڑے زور سے
آزادی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ گھر گھر ہر انسان مرد
عورت بوڑھے بچے کے کان میں آزادی کا پیغام سنایا جائے اور ان کو احساس
دلایا جائے کہ یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے اور جس پر دنیا کی زندگی کا دارومدار ہے

اور بڑے بڑے مالدار رئیس رنگ عیش کر رہے ہیں۔ یہ صرف ان کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اسے حق حاصل ہے کہ وہ آزادی سے خوشحال زندگی بسر کرے۔ اس لئے تمام مزدوروں اور کسانوں کو ریاستوں میں اپنی اپنی پرجا منڈل یا نیشنل کانفرنس میں شامل ہو کر آزادی کی تحریک میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ آپ نمائندگان ڈیلی گیٹ جب واپس اپنی اپنی ریاستوں میں جائیں تو ریاستی جنتا کے لئے آزادی کا پیغام لے جائیں۔

(بشکریہ "رنبیر" ۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء)

تصانیف سردار بدھ سنگھ

سردار بدھ سنگھ ریاست جموں وکشمیر کے وہ مایہ ناز سپوت ہوئے ہیں جن کا نام ان کی عوامی خدمات، جد وجہد آزادی، جادو نگار قلم اور تقریروں کی شعلہ بیانی کی بدولت رہتی دنیا تک زندہ جاوید رہیگا۔ انہوں نے کشمیر کی آزادی کی خاطر نہ صرف عوام کی رہنمائی کی۔ بلکہ ایک اعلیٰ عہدے سے مستعفی ہو کر میدان عمل میں کود کر عوامی رہنماؤں کے دوش بدوش قید وبند کی صعوبتیں جھیل کر پسماندہ اور فاقہ مست لوگوں کے ساتھ رہ کر ریاست کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔ انہوں نے زندگی کے سبھی نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ انہوں نے جموں وکشمیر کی آزادی کے سلسلے میں غلام اور پسماندہ عوام کی زبوں حالی اور حکمرانوں کی بے توجہی کے سلسلے میں کئی چھوٹی بڑی کتابیں اور خطوط لکھے۔ بہت سی تاریخی تقریریں بھی کی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ جو مختلف اخبارات میں چھپتے رہے۔ ان میں سے چند ایک اس کتاب میں بھی شامل کئے گئے ہیں

زیر نظر کتاب میں سردار بدھ سنگھ مرحوم کی حیات، سیاسی شخصیت اور کارناموں سے متعلق کچھ مختصر مواد بہم ہوا ہے۔ لیکن ان کی تصنیفات کی پوری فہرست کہیں بھی سامنے نہیں آسکی ہے۔ گو انکی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں نایاب ہو چکی ہیں۔ اور کئی ایک مسودے اسوقت سرکار نے ضبط کر لئے تھے جس کی وجہ سے وہ شایع نہ ہو سکے۔ پھر بھی

تصانیف سردار بدھ سنگھ

سردار بدھ سنگھ ریاست جموں و کشمیر کے وہ مایہ ناز سپوت ہوئے ہیں جن کا نام ان کی عوامی خدمات، جدوجہد آزادی، جادو نگار قلم اور تقریروں کی شعلہ بیانی کی بدولت رہتی دنیا تک زندہ جاوید رہیگا۔ انہوں نے کشمیر کی آزادی کی خاطر نہ صرف عوام کی رہنمائی کی، بلکہ ایک اعلیٰ عہدے سے مستعفی ہوکر میدان عمل میں کود کر عوامی رہنماؤں کے دوش بدوش قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں کر پسماندہ اور فاقہ مست لوگوں کے ساتھ رہ کر ریاست کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔ انہوں نے زندگی کے سبھی نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ انہوں نے جموں و کشمیر کی آزادی کے سلسلے میں غلام اور پسماندہ عوام کی زبوں حالی اور حکمرانوں کی بے توجہی کے سلسلے میں کئی چھوٹی بڑی کتابیں اور خطوط لکھے۔ بہت سی تاریخی تقریریں بھی کی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے مضامین لکھے ہیں، جو مختلف اخبارات میں چھپتے رہے۔ ان میں سے چند ایک اس کتاب میں بھی شامل کئے گئے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں سردار بدھ سنگھ مرحوم کی حیات، سیاسی شخصیت اور کارناموں سے متعلق کچھ مواد بہم ہوا ہے۔ لیکن ان کی تصنیفات کی پوری فہرست کہیں بھی سامنے نہیں آسکی ہے۔ کیونکہ ان کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں نایاب ہو چکی ہیں۔ اور کئی ایک مسودے اسوقت سرکار نے ضبط کر لئے تھے جس کی وجہ سے وہ شائع نہ ہو سکے۔ پھر بھی جن کتابوں اور کتابچوں کے نام ہمیں معلوم ہو سکے ہیں۔ وہ اس طرح ہیں:

مسودۂ ملازمت	فریاد رعیت
ملازمت کی زندگی	انصاف کی تلاش
کسان کی داستان	غریبوں کے دکھ کا علاج
خون کے آنسو	دیہاتی زندگی
کرایہ یاترا	سکھوں کی داستان

جاگیر شاہی کا پوسٹ مارٹم (کشمیر چھوڑ دو تحریک کے سلسلے میں عدالتی بیان)

کمیونسٹ بوگی (انگریزی)

پریم کھلاڑی (خود نوشت سوانح حیات)

پتوں راج، راجوں نوک (مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے نام بیگار کے مظالم کے سلسلے میں ایک تاریخی خط)

ریاست جموں و کشمیر کا نیا دور

رعایائے ریاست کی قسمت کا فیصلہ (سنہ ۱۹۳۳ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے نام قواعد پر مبنی ایک تفصیلی خط)

درد دل (سنہ ۱۹۳۳ء میں ریاستی کیبنٹ کے نام ایک طویل خط)

ہندوستان چھوڑ دو (سنہ ۱۹۴۲ء میں بحیثیت صدر نیشنل کانفرنس وائسرائے ہند کے نام کانگرس کی حمایت میں ہندوستان چھوڑ دو کے سلسلے میں خط)

●